جلد 13 شمارہ 4 مارچ 2011ء ربیع الثانی 1432ھ

ماہنامہ آدمیت گوجرانوالہ

عالمگیریت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

بانی سلسلہ

نگران و سرپرست

محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

Mob: 0300-6493335

ر : احمد رضا

ب مدیر : پروفیسر محمد احمد شاد

یم کنندہ : نعمان احمد
0300-6452570

ائنگ کمپوزنگ : محمد رفیق

س ادارت

د مسعود، پروفیسر منیر احمد لودھی

یر کموڈور (ر) اعجاز الدین

ر خان، عتیق احمد عباسی

م طالب، عبدالقیوم ہاشمی

روفیسر غلام شبیر شاہد

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ کے لئے

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ)

وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph:055-3862835
055-4005431

رابطہ مدیر: 0321-6400942

فیکس نمبر: +92-55-3736841

ای میل: info@toheedia.net

قیمت شمارہ ———— 25/- روپے

سالانہ فنڈ ———— 250/- روپے

ر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

اس شمارے میں

درس قرآن

(ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک)

استقامت کا نسخہ

اس لحاظ سے دین پر استقامت کا جو نسخہ عطا کیا گیا ہے، اِس کے چار اجزاء ہیں اور وہ سب
اس آیت میں بیان کر دیئے گئے اور یہیں سے قرآنِ مجید کا اکیسواں پارہ شروع ہوتا ہے۔

اُتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ
الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ (45)

''کتاب میں جو کچھ تمہاری طرف پیغام آیا ہے، اِس کی تلاوت کرو اور نماز کے پابند رہو کچھ
شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور خدا کا ذکر سب سے بڑا (عمل) ہے۔ اور جو
کچھ تم کرتے ہو، خدا اسے جانتا ہے''۔ (العنکبوت:45)

پہلی بات یہ کہ کتاب میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تمہاری طرف پیغام بھیجا ہے، اِس کو وصول کرو،
سمجھو اور اس پر عمل کرو۔ جب تک پیغام وصول نہیں ہوگا، اِس وقت تک اس پر ایمان حاصل نہیں
ہوگا۔

جب کلمہ طیبہ پڑھا، ایمان میں داخل ہو گئے، اب تفصیلی ایمان کیلئے ٹیکسٹ بک حاصل کرنا
پڑے گی۔ ایک طالب علم یونیورسٹی میں داخل ہو جائے، اِسے رول نمبر مل جائے لیکن نصاب کی
کتابیں نہ خریدے اور کلاس میں نہ بیٹھے اور پھر امتحان کی تیاری بھی نہ کرے تو اِسے ہم جعلی طالب
علم ہی کہیں گے۔ بالکل اِسی طرح ایک شخص توحید و رسالت کی شہادت دینے کے بعد اسلام میں
داخل تو ہو جائے مگر اِس ڈسپلن سے گزرنے کو تیار نہ ہو جس سے اللہ کا دین اِسے لامحالہ گزارنا چاہتا
ہے، تو ایسا شخص بھی حقیقی مسلمان نہیں بلکہ بناوٹی اور ملاوٹی مسلمان ہوگا۔ آیئے اب نسخہ استقامت
کے اجزاء پر غور کریں۔

1۔ تلاوت

ارشاد فرمایا کہ کتاب کو سمجھ کر اِس کی تلاوت کرو اور تلاوت کے ساتھ تدبر اور تذکر

بھی۔ سوچ سمجھ کر پڑھنا اور اِس نیت سے کہ اِس پر عمل کرنا ہے، اور پوری زندگی کو اس
میں رنگنا ہے۔ واضح رہے کہ تلاوت کا لفظی معنی پیروی کرنا ہے۔

2۔ نماز

نماز قائم کرنا چاہیے۔ اِس لئے کہ ہر ذہنی کیفیت کے ساتھ ساتھ جسمانی عمل بھی
ہے جو اِس ذہنی اور قلبی کیفیت کو دوام بخشے۔ صرف ایک مرتبہ سوچ لینا کافی نہیں بلکہ دوام
ہے۔ اِسی لئے فرمایا کہ نماز بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ
کھڑے ہو کر ٹھہر ٹھہر کر نماز میں تلاوت کرنے کی توفیق عطا کر دے تو اِس کا لطف دو چند ہو
گا۔ حضورِ اکرم ﷺ کی تہجد کی رکعتیں تو آٹھ ہی ہوا کرتی تھیں لیکن تلاوت بہت طویل ہو
دورانِ تلاوت میں جب رحمت کی آیات آتی تھیں تو آپ رحمت کی دُعا مانگتے اور جب غضب
آیات آتی تھیں تو اِس کے غضب سے پناہ کے طالب ہوتے اور دُعا اور تلاوت باہم دیگر
جاتیں اور آپ پر اِس کیفیت میں اس قدر گریہ طاری ہوتا گویہ سینہ مبارک سے چکی کے
دیگ کے اُبلنے کی آواز آ رہی ہو۔ اور یہ حضورِ اکرم ﷺ کی زندگی بھر کا وظیفہ رہا۔ اگر اِس سے
کوئی عمل ہوتا تو آپ نہ صرف خود وہی کرتے بلکہ صحابہؓ سے بھی وہی کراتے۔ یہی سب سے
عمل ہے اور جتنی روحانیت اس عمل سے حاصل ہوتی ہے اور کسی عمل سے نہیں ہوتی۔

3۔ ذِکر

اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے، چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اللہ تعالیٰ
یاد کریں اور یاد رکھیں۔ یہ سب سے بڑا عمل ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ کے بارے میں ہے۔
''حضور ﷺ ہر لمحے اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے''۔

یادِ محبوب فراموش نہ ہووئے اے دل
حسن نیت نے مجھے عشق سی نعمت دی ہے
گوش پیدا کئے سننے کو ترا ذکر جمال
دیکھنے کو ترے آنکھوں میں بصارت دی ہے

دخل ہے اِس کو بہت کچھ مرے تڑپانے میں
وہ جو لذت ہے ترے نام کے دہرانے میں

4۔ فکر

اِس بات کا فکر کہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو ہم کر رہے ہیں۔ ہر وقت ذہن میں اِسی کا
یان اور خیال رہے اور یہ خیال ذہن میں راسخ ہو کہ ہماری ہر حرکت کو وہ دیکھ رہا ہے۔ ہر دم اِس
قرب کا احساس ہو کہ وہ تو ہماری رگ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے۔ بقول شاعر

شہ رگ تو بہت دور ہے اے جانِ تمنا
آ میرے قریب اور قریب اور قریب اور

جب تیرا ذکر چھڑ گیا صبح مہک مہک اُٹھی
جب تیرا غم جگا لیا، شام مچل مچل گئی

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ مجھے کام اپنے ہی کام سے
ترے ذکر سے، ترے فکر سے، تیری یاد سے، تیرے نام سے

مراقبہ حضوری

اِس استقامت کے نسخے کو تصوف کی اصطلاح میں ''مراقبہ حضوری'' کہتے ہیں یعنی
م یہ دھیان رکھنا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہیں اور وہ ہماری طرف رحمت اور پیار محبت
ساتھ متوجہ ہے۔ اِس ناطے سے یہ چاروں کام ہوں گے تو پھر اِنشاءاللہ اعضاء و جوارح حق کا
تھ دیں گے۔ پھر طبیعت اِدھر نہ آنے کا شکوہ نہیں ہوگا۔ پھر اِس کے ہاں سے آنے کو دل نہیں
ہے گا پھر تو دِل چاہے گا کہ۔

بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے

لیکن صرف تصورِ جاناں نہیں بلکہ دورانِ کار میں تصورِ جاناں، پنجابی کی ضرب المثل ہے کہ

دل یار ولے ہتھ کار ولے

دل بیار، دست بکار

ہاتھ کام کرتے رہیں اور دل اسی کی طرف لگا رہے بقول شاعر:۔

گفتگو کسی سے ہو تیرا دھیان رہتا ہے

ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے سلسلہ تکلم کا

زندگی کا خلاصہ وہی اِک لمحہ شوق

جو تری یاد میں اے جانِ جہاں گزرا ہے

اِن کا ذکر، اِن کی تمنا، اِن کی یاد

وقت کتنا قیمتی ہے، آج کل

یاد میں تیری دو عالم کو بھلانا ہے ہمیں

عمر بھر اب کہیں آنا ہے، نہ جانا ہے ہمیں

اِن چاروں اعمال کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ سے ایک خاص محبت پیدا ہو جاتی ہے جس میں اِس کی درگاہ میں حاضر رہنے کو جی چاہتا ہے۔ اِس کے کوچہ سے بتقاضائے بشریت اگر آنا پڑے تو دل پہ بوجھ ہوتا ہے۔

داغِ وارفتہ کو ہم رات ترے کوچے سے

اِس طرح کھینچ کے لائے ہیں کہ جی چاہتا ہے

یوں اُٹھے آہ اس گلی سے ہم

جیسے کوئی جہاں سے اُٹھتا ہے

یہی بات حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمائی کہ مومن مسجد میں اِس طرح ہوتا ہے جیسا کہ مچھلی میں اور منافق مسجد میں اس طرح سے ہوتا ہے جیسے قفس میں پرندہ!

اِستقامت کے اِس نسخہ کے بعد فرمایا کہ جنگ و جدل سے بچنے کی کوشش کریں۔ اگر کسی موقع پر اِس کے بغیر چارہ کار نہ ہو تو جدال احسن سے کام لیجئے۔

ایک شبے کا ازالہ

اہل مکہ کے ایک شبے کو زائل کرنے کیلئے فرمایا:

وَمَا كُنتَ تَتْلُو مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ (48) بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ (49)

"اے نبیؐ! تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ سکتے تھے۔ دراصل یہ روشن نشانیاں ہیں ان لوگوں کے دلوں میں جنہیں علم بخشا گیا ہے اور ہماری آیات کا انکار نہیں کرتے مگر وہی جو ظالم ہیں"

نبوتِ محمدیؐ کا ایک کھلا ثبوت

یہ حضور ﷺ کی نبوت پر بہت بڑی دلیل ہے۔ آپ پڑھے لکھے نہیں تھے یعنی آپ نے کسی کتب سے باقاعدہ تعلیم حاصل نہ کی تھی، بلکہ جس قدر بھی انبیاء گزرے ہیں، سب اُمی (ناخواندہ) تھے۔ انہوں نے کسی انسان سے یا کسی انسانی ادارے سے کبھی تعلیم نہیں پائی۔ یہ تو بیسویں صدی کے جھوٹے نبی ہوتے ہیں جو پرائمری سکول میں پڑھتے ہیں۔ پھر فیل ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کا سکھ ماسٹر ان کو مرغا بناتا اور ان کو ڈنڈے مارتا ہے۔ لیکن خاتم المعصومین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے کسی ادارے سے تعلیم حاصل نہ کی اور آج آپ کے پاس ایسی کتاب ہے جس کو پڑھ کر لوگ دنگ رہ جاتے ہیں۔ یہ ہر نبی کی شان ہوتی ہے کہ نبوت سے پہلے ان کی زندگی کا ایک الگ رنگ ہوتا ہے۔ جونہی نبوت آتی ہے تو بالکل دوسرا رنگ ہو جاتا ہے۔ آپؐ نے اِس سے پہلے کسی شخص کو نہ ٹوکا نہ خیر و شر کے مسئلے پر کہیں لیکچر دیا اور نہ توحید و شرک کی بات کی بلکہ آپ نے صرف تجارت کی اور تجارت میں صادق اور امین تھے۔ بلکہ کبھی میدانِ جنگ میں بھی نہ اُترے۔ کبھی تلوار چلانا، کبھی تیر چلانا بھی نہ سیکھا۔ بس ایک خاموش تاجر! لیکن نبوت کے فوراً بعد دنیا نے دیکھا کہ وہ شخص جس نے کبھی تین آدمیوں کو بٹھا کے کبھی گفتگو بھی نہیں کی تھی، وہ بڑے بڑے مجمعوں کو خطاب کرتا ہے۔ وہ انسان جس نے ہاتھ سے کبھی تلوار نہیں پکڑی تھی، وہ انسانی تاریخ کا

سب سے بڑا جرنیل ہے۔آپ نے زندگی میں 83 جنگیں لڑیں اور 83 جنگوں میں
اور کفار کی طرف سے جو قتل ہوئے۔ان کی تعداد 533 ہے یعنی 83 جنگوں میں 533
اور ان سب کے نام بھی تاریخ میں محفوظ ہیں۔ کچھ شک وشبہ والی بات نہیں ہے انسانی
اتنا پر امن (Bloodless) انقلاب اور اتنی تعداد میں جنگیں اور اتنی کم
مقتولین (casualties) آج تک دیکھنے میں نہیں آئیں اور ایسی ایسی جنگی چالیں
انسان حیران رہ جاتا ہے۔فتح مکہ کا ایک واقعہ ہی کافی ہے جو تورات میں بھی اشارۃً لکھا ہوا
حضورِ اکرم ﷺ مدینہ منورہ سے روانہ ہوگئے۔اب جانا مکہ مکرمہ کو تھا۔وہ جنوب
آپ شمال کو چل پڑے۔لوگ سمجھے کہ شاید تبوک کی طرف جا رہے ہیں، خیبر کی طرف
ہیں۔شمال کی طرف چلے۔پھر دائیں پھر بائیں پھر اِدھر پھر اُدھر کسی شخص کو پتہ نہیں تھا
کدھر جا رہے ہیں، آپ کا دس ہزار کا لشکر کہاں جا رہا ہے۔اور اچانک لوگوں کو پتہ چلا کہ
پہنچ گئے ہیں۔آپ نے وہاں پہنچ کر ایک حکم صادر فرمایا کہ دیکھو کوئی شخص کسی دوسرے
کھانا نہ مانگے بلکہ الگ الگ اپنا کھانا خود پکاؤ۔جبکہ پہلے ایک باورچی کھانا پکاتا تھا، تین
کھاتے تھے۔اب جہاں ایک چولہا جلتا تھا، وہاں تین سو چولہے جلے۔لوگوں نے اس
کیا کہ اتنے چولہے جلے ہیں تو اتنا بڑا لشکر بھی ہوگا۔اب دس ہزار چولہے دیکھ کر اہل مکہ کا
گیا۔انہوں نے کہا کہ اب تو لڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ہتھیار ڈال دیئے اور یوں
جنگ کے فتح ہوگیا۔اِس جنگ میں انسان سے محبت ہے کہ انسان کی جان ضائع نہ ہو۔
جس نے کہ فن سپہ گری میں کبھی حصہ نہیں لیا۔وہ آج انسانی تاریخ کا سب سے بڑا جرنیل
ہے۔اور پھر ایسا بھی ہوا کہ ایک شخص میدان میں کہتا ہے' محمدؐ! ساری دنیا کو لڑاتے پھر
بہادر ہو تو خود میرے مقابلے میں آؤ۔میں کسی اور سے نہیں لڑنا چاہتا ہوں۔صرف تم سے لڑ
ہوں۔تو آپؐ نے صحابہؓ سے کہا کہ ہٹ جاؤ، اِس کو میرے پاس آنے دو۔اور اس نے
حملہ کیا۔آپ نے صرف نیزہ آگے کیا اور نیزہ اِس کو ہلکا سا چبھا اور اِس کو اتنا درد ہوا کہ

رگیا۔اور لوگوں نے دیکھا کہ یہ نیزے سے نہیں مرا بلکہ کسی اور چیز سے مرا ہے۔اِسی طرح ساری
زندگی میں کبھی آپ نے کشتی کا فن نہیں سیکھا۔جزیرۂ عرب میں ایک پہلوان نے کہا: ہمیں صرف
کشتی آتی ہے، ہم کسی اور چیز کو نہیں جانتے۔جو ہمیں کشتی میں ہرا لے گا، ہم اس کے مرید ہیں۔
آپ نبی ہیں تو مجھے کشتی میں ہرا دیں۔اب ہے نا یہ بچوں والی بات! بھلا نبوت کہاں اور پہلوانی
کہاں۔آپ نے کہا اچھا کوئی بات نہیں۔ہم کشتی لڑ لیتے ہیں۔آپ میدان میں آ گئے اور وہ
ب قریب آیا تو آپ نے اِسے اُٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔اِس کو یقین نہیں آیا۔اِس نے کہا نہیں
یں، ابھی نہیں۔میں پھر لڑوں گا۔ایک سیکنڈ میں آپ نے اس کو پھر زمین پر پٹخ دیا۔اس کو یقین
یں آیا۔چاروں شانے چت! دوسری مرتبہ ذرا زور سے اُٹھا کر پٹخا تو وہ کہہ رہا تھا۔ **اَشْهَدُ اَنْ
لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ**۔اب یہ کیا ہے کہ نبوت سے پہلے اِن
ں سے کوئی چیز حضورِ اکرم ﷺ کی شخصیت میں نظر نہیں آتی اور نہ ماحول ایسا ہے کہ معاشرہ ایسی
خصیت کو جنم دے۔

آپ انٹرنیشنل لاء کے بانی ہیں

انٹرنیشنل لاء کو سب سے پہلے مرتب کرنے والے محمد ﷺ ہی ہیں۔انسانی تاریخ شاہد
ہے کہ اس سے پہلے جنگل کا قانون تھا اور یہ بات مسلم تھی کہ فاتح کو حق ہے کہ وہ عورتوں کو لونڈیاں
، مردوں کو غلام بنالیں، جس کو چاہیں قتل کر لیں۔جتنا چاہیں مال لوٹ لیں مگر حضور ﷺ نے بین
الاقوامی قانون دیا کہ جب جنگ کرو تو بوڑھوں پر ہاتھ نہیں اُٹھانا۔درختوں، فصلوں کو برباد نہیں
کرنا۔اور یہ چیلنج ہے کہ آپ ؐ سے پہلے یہ اقوال آپ کو ہرگز نہ ملیں گے اور ایسا یقیناً ممکن نہیں تو پھر
داری کے ساتھ غور کریں کہ خطابت، علم، حکمت اور فراست یہ سب چیزیں یکا یک کیسے آ
گئیں؟ بغیر کسی پس منظر (Back ground) کے! تو یہ کھلی کھلی اور روشن نشانیاں ہیں ان
لوگوں کیلئے جنہیں علم بخشا گیا ہے۔اور جو اس کے باوجود ان واضح آیتوں سے انکار کرتے ہیں، وہ
ظالم ہیں۔

اہل ایمان کیلئے ہجرت کا حکم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ (56
نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ (57) وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَ
الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُم مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ
نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ (58) الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ (59) وَ
مِن دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (60)

"اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو۔ میری زمین وسیع ہے پس تم میری ہی بندگی
ہر جاندار کو موت کا مزا چکھنا ہے تم سب ہماری طرف ہی پلٹ کر لائے جاؤ گے۔ جو لوگ
لاتے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ان کو ہم جنت کی بلند و بالا عمارتوں میں رکھیں
کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیا ہی عمدہ اجر ملے گا عمل کرنے
کیلئے۔ ان لوگوں کیلئے جنہوں نے صبر کیا ہے اور جو اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں۔ ک
جانور ہیں جو اپنا رزق اُٹھائے نہیں پھرتے، اللہ ان کو رزق دیتا ہے اور تمہارا رازق بھی وہی
وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے"۔

حق کے مقابلے میں جو چیز انسان کو عام طور پر پریشان کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ میں حق کا
تو دوں لیکن حالات، بچوں کا مستقبل، رزق، فلاں فلاں چیزیں، فلاں فلاں مسئلے اور مش
آڑے آجاتی ہیں جس کی وجہ سے انسان کمزور پڑ جاتا ہے۔ اپنی جان، مال، بچوں کی محب
رزق کا کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کہیں ملازمت ہی نہ چھوٹ جائے، تجارت میں فرق نہ آجائے۔
باتیں انسان کو چاروں شانے چت گرا دیتی ہیں۔ اور انسان حق کی بجائے جھوٹ اور با
ساتھ دیتا ہے۔ یہاں اس کا حل مذکور ہے کہ اگر ایک جگہ رہتے ہوئے تمہیں دشواریاں پیش
ہیں تو میری زمین بہت وسیع ہے تم میرے دین کی خاطر کہیں ہجرت کر جاؤ لیکن دین کو نہ
کیونکہ وقت تو گزر جائے گا اور زندگی ختم ہو جائے گی اور موت آکر رہے گی اور موت کے

وقت بہت سخت ہے۔ اگر تم نے زندگی اِس ڈھب سے گزاری کہ حق کو نہ چھوڑا تو پھر جنت کے
باغات اور محلات میں تمہیں ٹھہرائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہاں یہ کھٹکا بھی نہ
ہو گا کہ میرا مکان، میری ملازمت، میرا مال یا میری نعمتیں چھن جائیں گی بلکہ تم ہمیشہ وہاں رہو
گے۔ ایک مرتبہ جو نعمت مل جائے گی، وہ ہمیشہ رہے گی۔ موت ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائے گی لیکن اِس
دنیا اور آخرت میں بہتر انجام ان لوگوں کا ہے جن میں دو صفتیں ہوں۔ صبر اور توکل۔ صبر حق کے
راستے میں ہر قسم کی مشکلات کا سامنا کرنے اور حق پر جمے رہنے کا نام ہے اور توکل یہ ہے کہ اللہ پر
مکمل بھروسہ کیا جائے کیونکہ جب ہم اسباب اختیار کرتے ہیں تو اسباب پر بھروسا نہیں کرتے بلکہ
اسباب کو پیدا کرنے والے پر بھروسا کرتے ہیں اور پھر کہا کہ جانوروں کو غور سے دیکھو۔ پرندے
صبح گھر سے نکلتے ہیں۔ اپنا رزق اور توشہ دان ساتھ اُٹھا کر نہیں چلتے ہیں۔ خالی پیٹ نکلتے ہیں اور
اللہ تعالیٰ انہیں رزق دے دیتا ہے۔ اگر تم اللہ پر بھروسہ کرو تو اللہ تمہاری بے قدری نہیں کرے گا۔

دُنیوی زندگی کی حقیقت

دنیا کی زندگی بڑی عارضی اور ناپائیدار چیز ہے۔ ارشادِ باری ہے۔

وَمَا هَـٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ
الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (64)

"اور یہ (چندروزہ) زندگی صرف ایک غفلت اور کھیل کا سامان ہے اور اُخروی زندگی کا گھر
ہی درحقیقت اصل زندگی کا گھر کہلا سکتا ہے۔ کاش کہ لوگ جانتے ہوتے"۔

یعنی یہ زندگی تو ایک کھیل تماشا ہے یعنی ڈرامہ ہے۔ اِس کے دوران میں کوئی بادشاہ کا
بہروپ بھرتا ہے اور کوئی وزیر کا۔ لیکن ہوتا سب کچھ وہی ہے جو ہدایت کار چاہے۔ ڈرامے کے
اختتام پر پوشاک، تاج وغیرہ سب چیزوں سے محروم ہونا پڑتا ہے۔ اِس دنیا کی کیفیت صرف اتنی
سی ہے کہ عام تھیٹر کا ڈرامہ ذرا مختصر ہوتا ہے اور موجودہ دنیا طویل دورانیے کا ڈرامہ ہے۔ اِس میں
اگرچہ وقت زیادہ لگتا ہے، لیکن موت کے ایک ہی جھٹکے سے پتا چلتا ہے کہ کھیل ختم ہو گیا ہے اور
جب قبر میں اُتارا جاتا ہے تو ایک بادشاہ اور ایک آدمی میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا۔

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے
کیجئے کیا اور شرحِ زندگی
کچھ سحر، کچھ دوپہر، کچھ شام ہے
کوئی سوتا ہو جیسے ڈوبتی کشتی کے تختے پر
اگر کچھ ہے تو بس اتنی سی دنیا کی حقیقت ہے

اہل مکہ کی نصیحت کیلئے ذکر کیا کہ حرم کو ہم نے امن و آتشی کا گہوارہ بنایا ہے۔ بایں ہمہ
کا منکر ہے اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں۔ ہاں! اہل ایمان پر ہمارے مسلسل احسان ہیں۔ ی
اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔

اہم اعلان

آئندہ ماہ اپریل 2011ء میں سالانہ اِجتماع کے موقع پر ادارہ ماہنامہ ''فلاح آدمیت'' کا ایک خصوصی نمبر شائع کر رہا ہے۔ اگر کوئی بھائی اپنا کوئی مضمون یا حلقہ کے متعلق کوئی پرانی یا اہم دستاویزی چیز انکے پاس ہے۔ یا باباجی انصاری صاحبؒ کے ساتھ کوئی یادگار تصویر، تو وہ جلد از جلد مرکز تعمیر ملت گوجرانوالہ ارسال کر دیں۔ شکریہ!

حسن خلق

(مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی)

ہمارے علمائے کرام نے دین کے چار بڑے اجزا بتائے ہیں۔

(۱) عقائد (۲) عبادات (۳) اخلاق اور (۴) معاملات۔

یہ چاروں حصے غلط نہیں۔ فی الواقع اسلامی زندگی کے یہ چار بڑے حصے ہیں۔ لیکن یہ خوب
سمجھ لینا چاہیے کہ یہ کوئی الگ الگ خانے نہیں جن میں ہر ایک خانہ دوسرے خانوں سے بے تعلق
یا دور کا تعلق رکھتا ہو۔ بلکہ یہ چاروں اجزا ایک دوسرے سے ایسے جڑے ہوئے اور ایک
دوسرے میں مدغم ہیں کہ کسی ایک جزو کو دوسرے سے الگ اور بے تعلق نہیں کیا جا سکتا۔ یہ سب مل
کر ایک وحدت ہیں اور کسی ایک کا فقدان دوسرے اجزا کے فقدان کو مستلزم ہے اور اسی طرح ایک
کا وجود دوسرے کے وجود کو لازمی کر دیتا ہے۔ اگر عقائد نہیں تو عبادات بھی نہ ہوں گی اور اگر
اخلاق درست ہیں تو معاملات بھی صاف ہوں گے۔ اِن سب کی وحدت کی مثال ایسی ہے جیسے
ایک کمرے میں اگر چار بتیاں چاروں کونوں میں روشن ہوں تو دیکھنے میں وہ چاروں الگ الگ
معلوم ہوں گی لیکن ان چاروں کی روشنی باہم ایسی گتھی ہوتی ہوگی کہ یہ تمیز نہیں کیا جا سکے گا کہ کسی
بتی کی روشنی کہاں تک ہے جس کے بعد دوسری بتی کی روشنی شروع ہوتی ہے۔ یہ چاروں روشنیاں
مل کر ایک وحدت ہوں گی۔ یہی صورت اِن چاروں اجزائے دین کی بھی ہے کہ دیکھنے میں تو
الگ الگ حصے ہیں لیکن نتائج کے لحاظ سے یہ سب مل کر بیک وقت انسان کی سیرت پر اثر
کرتے ہیں اور سیرتِ انسانی ان چاروں کو ساتھ ساتھ لے کر چلتی ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ عقائد
تو ستھرے ہوں اور معاملات گندے ہوں یا عبادات درست ہوں اور اخلاق نہ درست
ہوں۔ اگر اعتقاد و عمل میں اس قسم کا تخالف نظر آئے تو سمجھ لینا چاہیے کوئی جز یقیناً نامکمل ہے۔ یہ
ناممکن ہے کہ ایک شخص اعتقاد تو یہ رکھتا ہو کہ سنکھیا قاتل ہوتی ہے اور اِس اعتقاد کے باوجود سنکھیا
کھا لے۔ خودکشی کی نیت ہو تو اور بات ہے ورنہ سنکھیا کھانے کی کوئی ارادہ بھی نہیں کر سکتا کیونکہ

عقیدہ اِسے روک دے گا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اگر خودکشی بھی کرنی ہو تو یہ ایک محکم عقیدے کے بغیر نہ ہوگا۔ پہلے اس کا یہ عقیدہ ہوگا کہ فلاں چیز کھانے سے موت آتی ہے۔ یہ کبھی نہ ہوگا کہ بلا ارادہ چاہے موت کو مگر زہر کی بجائے حلوے کا نوالہ چکھے۔ اگر کہیں بھی عمل کی کمزوری نظر آئے تو یقیناً کسی اعتقادی کمزوری کا نتیجہ ہوگا۔ عقیدہ محض زبانی اقرار کا نام نہیں بلکہ یہ ایک ایسے یقین کا نام ہے جو کسی عمل کا محرک ہوتا ہے۔

کہنا یہ ہے کہ حسن خلق ایک ایسا جزو دین ہی جسے دین کے دوسرے اجزاء سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی انسان خوش عقیدہ یا ''خوش عبادت'' وغیرہ تو ہو مگر خوش خلق نہ ہو۔ اگر خوش خلق ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اِس کے باقی اجزائے دین ہی کا یہ اثر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم ﷺ کے متعلق فرمایا۔

انک لعلیٰ خلق عظیمo یقیناً آپ تو خُلقِ عظیم پر قائم ہیں۔

خود حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

بعثت لا تمم حسن الاخلاقo (رواہ ابوداؤد عن مالک)

''میں تو حسن اخلاق کی تکمیل کیلئے مبعوث ہوا ہوں''۔

بعض روایتوں میں ''حسن الاخلاق'' کی بجائے ''مکارم الاخلاق'' آیا ہے مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔

جو لوگ صرف نماز روزے ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور حسن خلق کا کوئی مقام نہیں سمجھتے ان کیلئے ارشاد ہوا۔

ان المومن لیدرک بحسن خلقه درجة الصائم القائمo

(رواہ ابوداؤد عن عائشہؓ)

''مومن اپنے حسن خلق کی وجہ سے صائم النہار اور شب زندہ دار کا درجہ پالیتا ہے''۔

یہ حدیث بڑی غور طلب ہے۔ بہ ظاہر تو اِس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ ایک آدمی بلا قیام وصیام بھی مومن ہوسکتا ہے۔ اور اگر وہ نماز روزے سے بے تعلق بھی ہو تو محض حسن خلق کی وجہ سے اس

روزے دار میں ہوگا۔ لیکن ہمارے نزدیک اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ مومن تو بہر حال
نمازی، روزے دار ضرور ہوتا ہے لیکن نماز روزے پر عمل کرنے والے دو طرح کے ہوتے ہیں۔
نمازی روزے دار تو وہ ہیں جو رسمی طور پر نماز ادا کر لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے فرض ادا کرلیا مگر ان کی زندگی
پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ بعض اوقات اُلٹا اثر پڑتا ہے۔ یعنی وہ ہر طرح کی بددیانتی کرتے
ہیں اور سمجھتے ہیں کہ نماز روزہ کرنے سے تمام خلافِ اخلاق گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اور
دوسرے وہ لوگ ہوتے ہیں جو نماز روزے کو محض رسماً ادا نہیں کرتے بلکہ اِس کے تقاضوں کو بھی
سمجھتے ہیں اور اس کے تقاضے ان کی زندگی کے معاملات پر نمایاں اثر رکھتے ہیں۔ قیام وصیام کا
درجہ انہی کو حاصل ہوتا ہے۔ پس اِس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ محض صلوٰۃ وصوم ادا کر لینے سے
صائم وقائم کا درجہ نہیں مل جاتا بلکہ اِس کے تقاضوں کا اثر ان کی زندگی پر جب حسن خلق کی شکل میں
نمایاں ہو تب سمجھنا چاہیے کہ انہوں نے صائم و قائم کا درجہ حاصل کیا اور ہے بھی یہ بالکل صحیح۔
کیونکہ قیام وصیام کا مقصد خدا سے اپنا رابطہ پیدا کرنا ہے اور یہ معلوم کرنے کیلئے کہ آیا کسی کا رابطہ
خدا سے صحیح اور قوی ہے یا نہیں، ایک ہی کسوٹی ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا کے بندوں کے ساتھ اِس کا
رابطہ دیکھا جائے۔ اگر بندوں سے رابطہ صحیح ہے تو یہی حسن خلق ہے۔ اور اگر خدانخواستہ ایسا نہ ہو تو
سمجھ لینا چاہیے کہ اِس کا رابطہ خدا سے بھی درست نہیں اور اس کا قیام وصیام محض رسمی ہے اور اِس
مومن کا ایمان بھی ابھی رسمی ہی ہے اور اس کی تکمیل کے ابتدائی مدارج ابھی طے نہیں ہوئے ہیں۔

چنانچہ ایک دوسری روایت میں تکمیل ایمان کا ذریعہ ہی حسن خلق کو بتایا گیا ہے۔ ارشاد ہوا!

ان من اکمل المومنین ایمانا احسنھم خلقا والطفھم باھلہ

(رواہ ترمذی عن عائشہؓ)

"جس کے اخلاق سب سے بہتر ہوں اور جو اپنے اہل وعیال پر سب سے زیادہ مہربان ہو
وہی ایمان میں بھی سب سے زیادہ کامل ہے"۔

یہاں اہل وعیال پر مہربان ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ یہ حسن خلق سے کوئی الگ چیز ہے بلکہ
اس کا مطلب یہ ہے کہ یہی پہلا قدم ہے حسن خلق کی طرف۔ اِس کے حسن خلق کا کوئی وزن نہیں

جس کا اظہار گھر کے اندر نہ ہو۔ انسان کا اپنا گھر ہی سب سے بڑا مقیاس ہے اور ساری نیکی
ہی سے شروع ہوتی ہیں۔

اِس سلسلے میں ایک اور حدیث بھی بڑی قابل غور ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ:

مامن شی اثقل فی میزان المومن یوم القیمة من خلق حسن o

(رواہ الترمذی عن ابی الدردا

''بروزحشر اچھے اخلاق سے زیادہ کوئی بھی مومن کی میزان میں زیادہ وزنی نہ ہوگی''۔

ذرا غور کیجئے کہ اِس حدیث میں نہ صوم وصلوٰۃ کو اتنا وزنی بتایا گیا ہے نہ دوسرے او
وظائف کو۔ اِس سے خود اِس حدیث کے مطلب پر بھی روشنی پڑتی ہے جس میں حسن خلق
ذریعے صائم وقائم کا درجہ حاصل کرنے کا ذکر ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوگا کہ حسن خلق آخر ہے کیا چیز؟ اِس کی کیا تعریف ہے اور اِس سے کیا
ہے؟ تو بات یہ ہے کہ منطقی تعریف تو دراصل کسی شے کی بھی نہیں ہوسکتی۔ یہ ایک حد تک ہی عقل
پر کسی بات کو سمجھنے کیلئے مدد دے سکتی ہے۔ لیکن انسان کے اندر ایک ایسا جوہر احساس رکھا گیا ہے
ہر چیز کے متعلق فیصلہ کر لیتا ہے کہ یہ اچھی ہے یا بری؟ بد اخلاقی ہے یا خوش اخلاقی؟ بلاشبہ
کے مختلف مدارج ہیں اور مزاج میں جتنی لطافت آتی جائے گی اتنا ہی اس کی نزاکتوں کا احسا
ترقی پذیر ہوتا جائے گا۔ اِس کے باوجود کچھ اخلاقی قدریں ایسی بھی ہیں جن کو پرکھنے کی عام کس
انسان کی فطرت میں موجود ہے۔ حضور ﷺ نے اِسے ایک دوسرے انداز سے یوں بیان فر
ہے کہ:۔

لا یومن احد کم حتی یحب لا خیه ما یحب لنفسه o

''اِس وقت تک تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوگا جب تک اپنے بھائی کیلئے بھی وہی نہ پ
کرے جو خود اپنے لیے پسند کرتا ہے''۔

مطلب یہ ہے کہ کچھ باتیں ایسی ہیں جن کو انسان اپنے لئے پسند نہیں کرتا اور کچھ باتوں
پسند کرتا ہے۔ انسان خود جو کچھ کسی کے مقابلے میں ہوتا ہے وہی کچھ کوئی دوسرا اِس کے مقا

بھی ہوتا ہے۔ اگر وہ کسی کا باپ ہے تو کسی کا فرزند بھی ہوگا۔ اگر کسی کا شاگرد ہے تو کسی کا استاد بھی ہوگا۔ کسی کا افسر ہے تو کسی کا ماتحت بھی ہوگا۔ غرض جو کچھ وہ خود کسی کیلئے ہے وہی کچھ کوئی اور اس کیلئے بھی ہے۔ بس اسے یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ جس کے ساتھ کچھ کر رہا ہے وہی کچھ اسی مرتبے کا دوسرا آدمی خود اس کے ساتھ کرے تو اسے گوارا ہو یا ناگوار۔ اگر وہ کوئی سلوک اپنے باپ کے ساتھ کرتا ہے تو دیکھ لے کہ یہی سلوک اگر فرزند میرے ساتھ کرے تو مجھے کیسا لگے گا؟ اگر وہ اسے پسند کرے تو سمجھ لے وہ فطرتاً پسندیدہ ہے اور وہ کرنا چاہیے لیکن اگر اسے ناگوار ہو تو سمجھ لے کہ یہ قابل ترک ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ جو شخص کسی کے ساتھ کچھ کرتا ہے تو پہلے یہ دیکھ لے کہ اگر یہ میری جگہ اور میں اس کی جگہ ہوں اور وہ یہی بات میرے ساتھ کرے جو میں اس کے ساتھ کر رہا ہوں تو مجھے گوارا ہوگا یا ناگوار؟ بس اتنی سی بات اچھے اور برے اخلاق کی عمدہ کسوٹی بن جائے گی۔

فطرت کی اسی آواز کا ہر روز زندگی میں تجربہ ہوتا رہتا ہے۔ دیکھیے ایک چور جب چوری کرتا ہے تو اپنی کامیابی پر بڑا خوش ہوتا ہے۔ لیکن اگر خود اس چور کے گھر کوئی دوسرا چور چوری کرلے تو اسے سینکڑوں گالیاں دیتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جس کام پر وہ خود خوش ہوتا ہے اُسے دوسروں کیلئے کیوں برا سمجھتا ہے؟ کیا یہ فطرت کی وہی آواز نہیں جو بے ساختہ اندر سے پیدا ہوتی ہے۔ درحقیقت بُرائی کو بُرائی کرنے والے کی فطرت بھی بُرائی ہی سمجھتی ہے اور اِسی طرح ہر ایک کی فطرت اچھائی کو اچھائی سمجھ لیتی ہے۔

اس کیلئے کسی منطقی تعریف یا استدلال کی ضرورت نہیں۔ فطرت کی آواز سب سے مکمل تعریف واستدلال ہے اور فطرت ہی کسی چیز کے متعلق بدخلقی یا حسن خلق ہونے کا صحیح فیصلہ کرتی ہے۔ ہاں یہ درست ہے کہ ثقافتوں کے اختلاف سے اس کے معیار میں بھی فرق پیدا ہوجاتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود خلق کی مشترک بنیادی اقدار بھی ہمیشہ سے دنیا میں موجود ہیں جن پر ثقافتی اختلاف اپنا کوئی اثر نہیں ڈالتا۔

رجوع الی اللہ

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حقیقت انسان

جب تک انسان کی اصل حقیقت اور اس کے مقصود حیات کے
میں صحیح علم نہ ہو اس وقت تک اس کی زندگی کیلئے نہ تو کوئی حتمی لائحہ عمل مرتب کیا جاسکتا ہے
یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کی ترقی کی سمت درست ہے یا غلط۔ یہ انسانیت کا سب سے
مشکل ترین مسئلہ ہے۔ چونکہ انسان خود اپنی تخلیق کے مقصد سے آگاہ نہیں ہوسکتا اس لئے
میں اس کیلئے اپنی حقیقت اور کامیابی کا دستور حیات جاننے کا ایک ہی یقینی ذریعہ رہا ہے
خالق و مالک اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام پر اُترنے والی وحی سے روشنی اور
حاصل کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر
انسان کیلئے دین کو مکمل کرنے والی جو مبارک کتاب نازل فرمائی اس میں جہاں قیامت تک
والے تمام انسانوں کی ہدایت و فلاح اور دنیوی و آخروی کامیابی کیلئے مکمل لائحہ عقائد
موجود ہے وہاں انسان کی اصل حقیقت اور دیگر ازلی وابدی حقائق بھی بیان کئے گئے ہیں۔
کریم میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی عظمت اور برتری بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہم نے
زمین کی خلافت، اپنی محبت و معرفت سے بھرپور بندگی اور قرب و رضا کیلئے پیدا کیا اور اسے
اشیاء کی صفات کا علم اور انہیں تسخیر کرنے کی صلاحیت سے نوازا۔ چنانچہ علم و عرفان کی اس
کی وجہ سے ملائکہ بھی اس کے سامنے سربسجود ہو گئے۔ یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ہم نے ایک
آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کی لیکن وہ اس کی بھاری ذمہ داری اور ناکامی کی صورت
ملنے والی سزا سے ڈر گئے اور اسے قبول نہ کیا لیکن انسان نے اُسے اٹھالیا اور اس طرح اسے
اعمال کا ذمہ دار ٹھہرا لیا گیا۔ یہ تمام احوال عالم ارواح میں پیش آئے یعنی اس وقت جب کہ
پر اس کا مادی ظہور نہ ہوا تھا تاہم وہ اپنا ایک روحانی وجود رکھتا تھا۔ قرآن کریم میں عالم ارواح

لئے گئے میثاق الانبیاء کے علاوہ اولادِ آدم سے لئے گئے عہد الست کا بھی ذکر ہے جس میں تمام ارواح نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب یعنی آقا و مالک تسلیم کیا۔ یہ واقعات بیان کرنے کی غرض و غایت اس بنیادی امر کو واضح کرنا ہے کہ انسان کی حقیقت اور اس کا اصل وجود روحانی ہے۔ اسی لئے تمام عہد و پیمان غیر مادی وجود سے لئے گئے اور اسے ہی اعمال کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ یہ مادی جسم تو حقیقی انسان کیلئے سواری کی مانند ہے جسے وہ اپنی مرضی کے مطابق چلاتا اور اس کے ذریعے مادی حیات کا سفر طے کرتا ہے۔ یا یوں سمجھ لیں کہ مادی جسم حقیقی انسان کے گرد لپٹا ہوا غلاف ہے جو حواس اور بدنی اجزاء پر مشتمل ہے۔ حواس کے ذریعے انسان بیرونی دنیا کا علم حاصل کرتا ہے اور جسمانی اجزاء کو استعمال کر کے اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہناتا ہے۔ اس کی تمام تر سائنسی ایجادات بھی اسی ذوق کا شاخسانہ ہیں۔ جب انسان کی موت واقع ہوتی ہے تو روح یا حقیقی انسان کا تعلق مادی جسم سے منقطع کر کے اسے عالم مثال یعنی برزخ میں اس کے اعمال کے مطابق ٹھہرایا جاتا ہے اور جب حشر برپا ہوگا تو اسے دوبارہ مادی جسم عطا کر دیا جائے گا۔ اس لئے انسان کی اصل کامیابی اسی میں ہے کہ وہ ہمہ وقت مادی جسم کی پرورش اور خدمت ہی میں نہ لگا رہے بلکہ اس کی صرف مناسب ضروریات کا خیال رکھے تاکہ مادہ کی تسخیر اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول میں یہ اس کا مددگار ثابت ہو۔ اس افضل ترین لیکن ہمت آزما مشن میں کامیابی کیلئے یہ امر اشد ضروری ہے کہ انسان کو اس دشوار گذار راہ کے ہر پیچ و خم اور اونچ نیچ کے متعلق مکمل آگاہی حاصل ہو۔ اس کیلئے انسان اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کا محتاج ہے کیونکہ ان امور کا حقیقی علم اس کو ہے کہ کون کونسے اعمال انسان کی سعادت اور نیک بختی کا سبب بن کر اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے مقام تک پہنچا سکتے ہیں اور کونسے اسے شقاوت اور بدبختی کی دلدل میں پھنسا کر اللہ سے دوری کا باعث بنتے ہیں۔ تمام انسانی اعمال کو اللہ کے دین میں خیر اور شر کے دو عنوان دئے گئے ہیں اور انہیں جاننے اور ماننے پر ہی ہر انسان کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ اسی لئے وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى کو تسلیم کرنا ایمان کا جزو ٹھہرایا گیا ہے یعنی کونسی چیز خیر اور کونسی شر ہے اور مختلف اعمال میں خیر اور شر کا درجہ کتنا ہے اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اور انسان کی کامیابی اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق شر سے بچنے اور خیر پر چلنے میں ہے۔ ہر انسان جو کچھ

سوچتا، بولتا اور کرتا ہے اس کا مکمل ویڈیو ریکارڈ تیار کیا جا رہا ہے اور قیامت کے روز پوری زن
کارکردگی اسے دکھا دی جائے گی۔

چنانچہ سورۃ زلزال میں فرمایا گیا ہے۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَ
وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ o ''تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو
لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا'' اس دن مجرموں کی کوئی صفائی، ہ
اور وکالت قبول نہ کی جائے گی بلکہ کسی کو بات کرنے کی بھی اجازت نہ ہوگی۔ سورۃ یٰسین میں
گیا ہے۔ ''آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور جو کچھ یہ کرتے رہے تھے ان کے ہا
سے بیان کر دیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے''۔ آج جب کہ انسان نے ریکارڈ کر
کیلئے عجیب وغریب ایجادات کر لی ہیں تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے انتظامات کا کیا ہی کہنا ہے۔ ای
طرف تو عِلِّیِّین اور سِجِّیْن کے ماسٹر ریکارڈ آفس ہیں جن میں ہر ہر انسان کے اچھ
برے اعمال اس کی ذاتی فائلوں میں ریکارڈ کئے جا رہے ہیں اور دوسری طرف ہر انسان کے
ایک ایسا نظام پیوست کر رکھا ہے جو اس کی حرکات وسکنات کو ضابطہ تحریر میں لا رہا ہے۔ اللہ تع
نے فرمایا ہے۔

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ o وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَ
كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا o اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا

(بنی اسرائیل۔ 13 تا 14)

''اور ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے اور قیامت کے روز ا
کتاب کی صورت میں نکال دکھائیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا۔ کہا جائے گا کہ اپنی کتاب پڑ
لے۔ آج تو آپ ہی اپنا محاسب کافی ہے''۔

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے انسانوں کی ہدایت کیلئے ہر قوم میں اپنے رسول بھیج
جنہوں نے اپنی اپنی اُمتوں کو اللہ تعالیٰ اور آخرت کی زندگی پر ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ کی بند
کرنے کی دعوت دی۔ اور انہیں تمام اوامر یعنی خیر کے اعمال کی تفصیل بتا دی جن کو اپنانے
انسان اللہ کی محبت کی راہ میں آگے بڑھتا چلا جاتا اور آخر کار اس کی رضا حاصل کرنے م

میاب ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس نواہی ومنکرات یعنی شر کے اعمال سے بھی آگاہ کر دیا جن
ں مبتلا ہونے والا مادی دنیا کی محبت میں گرفتار ہو کر نفس کا بندہ یا غلام بن جاتا ہے اور اللہ سے دور
رتا چلا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے انسانوں کو اپنی مثالی زندگیوں کا اتباع کرنے والوں کو
لاح دارین کی ضمانت دی اور نافرمانی کرنے والوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے جو سزائیں اور جہنم کی
گ تیار کر رکھی ہے اس سے ڈرایا تا کہ وہ ہوا و ہوس اور مادی لذات کی جستجو کو ترک کر کے تقویٰ
لی زندگی اپنالیں اور دنیا و آخرت میں سرخرو ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول حضرت محمد مصطفٰے ﷺ پر جو اپنی آخری کتاب نازل فرمائی
س میں جزا و سزا کا فطری قانون بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ اب جو انسان اللہ
الٰی کے دین کے مطابق پاک صاف زندگی بسر کرے گا وہ اس کی رضا اور جنت کا حقدار ٹھہرے
ا اور جو نافرمانی کی روش اپنا کر من مرضی اور آزادروی کی زندگی گذارے گا وہ یہاں بھی ذلت
ے دوچار ہوگا اور مرنے کے بعد اس کا ٹھکانہ جہنم میں ہوگا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے۔

**وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
لْاَنْهٰرُ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا٥ (الفتح۔17)**

''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے فرمان پر چلے گا اللہ اس کو بہشتوں میں داخل کریگا
س کے تلے نہریں بہ رہی ہیں اور جو روگردانی کریگا اسے بڑے دُکھ کی سزا دیگا''۔

اگرچہ انسان کی علمی اور روحانی ترقی میں اس کا نفس بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے لیکن اس میں بھی
وئی شک نہیں کہ نفس فطری طور پر سفلی خواہشات اور مادی لذات کی طرف لپکتا ہے۔ مگر جو انسان
یمان کی نعمت سے سرفراز ہو کر اپنی خواہشات کو شریعت کی حدود کے اندر رکھنے کیلئے اپنے نفس سے
سلسل جہاد کرنے میں لگا رہے تو پھر یہی نفس امارہ ترقی کر کے نفس لوامہ اور آخر کار نفس مطمئنہ بن
اتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نفس کے رجحان اور ایمان و تقویٰ کا اجر بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

**زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ
لْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ
ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ٥ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ**

بِخَیْرٍ مِّنْ ذٰلِکُمْ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۔ وَاللّٰ
بِالْعِبَادِo (آل عمران 14تا15)

''عورتوں، بیٹوں، سونے چاندی کے ڈھیروں، عمدہ گھوڑوں، مویشیوں اور کھی
خواہشات کی محبت لوگوں کیلئے مرغوب اور خوشنما بنائی گئی ہے۔ یہ سب تو دنیا کی زندگی
ہیں اور اللہ کے پاس بہت اچھا ٹھکانہ ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہیں ایسی چیز بتادوں
چیزوں سے کہیں اچھی ہو ان لوگوں کیلئے جو پرہیز گار ہیں اللہ کے ہاں باغات بہشت ہیں
نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور پاکیزہ عورتیں ہیں اور سب
اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور اللہ بندوں کو دیکھ رہا ہے''۔

پہلی آیت میں جہاں اللہ تعالیٰ نے دنیوی زندگی کی شان وشوکت کے چھ اہم ترین او
ان کے ساتھ عام انسانوں کی فطری محبت کا ذکر کیا ہے وہاں ساتھ ہی فرما دیا ہے کہ یہ سب
ہم نے تمہیں مادی زندگی کے استعمال کیلئے دے رکھا ہے۔ ہمارے ہاں متقین کیلئے ای
نعمتیں ہیں جن کا انسان گمان بھی نہیں کرسکتا۔ ایسی ہی نعمتوں کی ایک مختصر جھلک دکھا
ہے۔ گویا یہ سمجھایا جارہا ہے کہ مادی زندگی کی گھٹیا اور عارضی لذات کو سب کچھ سمجھ کرانہی م
کر نہ رہ جانا۔ اصل زندگی تو آخرت کی ہے اور وہاں کی نعمتیں اعلیٰ اور ہمیشہ باقی رہنے وال
ان سے اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی جنتوں میں داخل ہونے والے صالحین کے اوصاف
گئے ہیں تاکہ اہل ایمان انہیں اپنا کر کامیاب ہوجائیں۔ بلکہ قرآن میں تو اہل ایمان
جانفروشی کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کے اموال او
جنت کے بدلے میں خرید لی ہیں''۔ (التوبہ۔111)

مکافات عمل

حضور نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایات کے مطابق
اللہ تعالیٰ کی حکمرانی قائم کردی۔ آپ کے تربیت یافتہ اصحابہ کرام اس حقیقت سے پوری
آگاہ تھے کہ دین ایمان وعمل کا ہی نام ہے اس لئے وہ مجسم خلوص اور سراپا عمل تھے۔ انہیں

ں تھا کہ دنیا میں اقوام عالم کی قیادت وسیادت اور آخرت میں انعام واکرام اور اللہ تعالیٰ کی
ں کا عطا کیا جانا عمل پر ہی منحصر ہے۔ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کو پوجا پاٹ کی رسوم کیلئے
ں بلکہ مکمل آئین حیات کے طور پر اپنایا اور پوری طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت
اطاعت میں داخل ہو گئے۔ ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگی ہوئی
ں اور ان کا جینا اور مرنا صرف اللہ تعالیٰ کے لئے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر گام پر انہیں اللہ تعالیٰ کی
ید و نصرت ملتی رہی اور صرف آدھی صدی کے عرصہ میں اُنہوں نے تقریباً آدھی دنیا کو زیر نگیں
لیا۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

حیات آخرت کے بارے میں بھی اُنہیں یقین کامل تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے تمام اعمال کو دیکھ
ہے اور اس کے فرشتے ہمارا ہر قول و فعل لکھ رہے ہیں، جن کا بدلہ ہمیں ضرور دیا جائے گا۔ جیسا
ہ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے:۔

(ترجمہ) ”اور کافر کہتے ہیں کہ قیامت کی گھڑی ہم پر نہیں آئے گی۔ آپ کہہ دیں کہ وہ
یوں نہیں آئے گی۔ میرے رب کی قسم وہ تم پر ضرور آ کر رہے گی۔ اللہ غیب کا جاننے والا ہے۔
رہ بھر چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ اور کوئی چیز ذرے سے چھوٹی
بڑی ایسی نہیں مگر کتاب روشن میں لکھی ہوئی ہے۔ اس لئے کہ جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک
رتے رہے ان کو بدلا دے۔ یہی ہیں جن کیلئے بخشش اور عزت کی روزی ہے اور جنہوں نے
اری آیتوں میں کوشش کی کہ ہمیں ہرا دیں گے ان کیلئے سخت درد دینے والے عذاب کی سزا
ہے“۔ (سبا۔3تا4)

صحابہؓ نے قرآن کریم اور اسوہ رسول ﷺ کو سینوں سے لگائے رکھا اور کبھی عمل میں سستی نہیں
کھائی۔ وہ جتنے زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تھے اتنے ہی زیادہ اپنے اعمال اور قیامت کی باز پرس
کیلئے فکر مند رہتے تھے۔ اُنہوں نے جنت کے حصول کیلئے مختصر اور آسان راہوں کے عقیدے
نہیں تراشے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى کو راہنما بنائے رکھا اور

جدوجہد سے بھرپور زندگیاں گذاریں اور دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں اپنی ر
جنت کی بشارتیں مل گئیں۔ان کے مقابلے میں ایک ہم ہیں کہ کردار و عمل کی بجائے
سراپا گفتار بن جانے کی وجہ سے ذلت سے دوچار لیکن دنیا و آخرت میں معجزات کے انتظ
پڑے ہیں۔ہم نے قرآن کریم کی اس تعلیم کو کہ ہر انسان کو اس کی محنت کا پھل اور اعمال
ضرور دیا جائے گا پس پشت ڈال رکھا ہے۔اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے چند فرمودات کا
ملاحظہ فرمائیں۔

''اللہ کے پاس تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔اللہ کا وعدہ سچا ہے۔وہی خلقت کو پہلی بار پی
ہے پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کریگا تاکہ ایمان والوں اور نیک کام کرنے والوں کو انصاف
ساتھ بدلا دے۔اور جو کافر ہیں ان کیلئے پینے کو نہایت گرم پانی اور درد دینے والا عذاب
کیونکہ وہ انکار کرتے تھے''۔(یونس۔4)

''قیامت کے دن ہر متنفس اپنی طرف سے جھگڑا کرنے آئے گا اور ہر شخص کو اس کے اعما
پورا پورا بدلا دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا''۔ (نحل۔111)

''جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم ہو کر آئے گا تو اس کیلئے جہنم ہے جس میں نہ مرے
جئے گا اور جو اس کے رُوبرو ایماندار ہو کر آئے گا اور عمل بھی نیک کئے ہوں گے تو ایسے لوگوں
اونچے اونچے درجے ہیں''۔ (طٰہٰ۔74۔75)

''بھلا جو مومن ہو وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو نافرمان ہو؟ نہیں وہ دونوں برابر نہیں
سکتے۔جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کیلئے باغ ہیں۔یہ مہمانی ان کاموں کی
ہے جو وہ کرتے تھے۔اور جنہوں نے نافرمانی کی ان کے رہنے کیلئے دوزخ ہے۔جب چا
گے کہ اس میں سے نکل جائیں تو اس میں لوٹا دئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ
آگ کے عذاب کو تم جھوٹ سمجھتے تھے اس کے مزے چکھو''۔(السجدۃ 18 تا 20)

''جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے ان کو اللہ بہشتوں میں جن کے نیچے نہ
بہہ رہی ہیں داخل فرمائے گا اور جو کافر ہیں وہ اندھا دھند فائدے اُٹھاتے ہیں اور اس ط
کھاتے ہیں جیسے حیوان کھاتے ہیں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے''۔ (محمد۔12)

"جس شخص نے کفر کیا اس کے کفر کا ضرر اسی کو ہے اور جس نے نیک عمل کئے تو ایسے لوگ اپنے
لئے آرامگاہ درست کرتے ہیں۔ تا کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کو اللہ
اپنے فضل سے بدلا دے۔ بے شک وہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا"۔ (الروم۔44 تا 45)
ان آیات مبارکہ سے یہ بات پوری طرح کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ آخرت کی زندگی میں
ایمان اور صالح اعمال کے صلے میں جنت کے باغات اور نافرمانی کے بدلے میں دردناک عذاب دیا
جائے گا۔ ہر انسان جس طرح کے اعمال کی فصل یہاں بوئے گا اسی طرح کی فصل وہاں کاٹے گا۔

از مکافات عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو از جو

دُنیا آخرت کی کھیتی

زراعت انسان کا اولین پیشہ ہے۔ ہم مٹی میں جو بھی بیج بوتے
ہیں اس کا پودا اُگ آتا ہے اور مقررہ وقت کے بعد اس پر پھول پھل لگتے ہیں اور ہمیں بیج کی جنس
سینکڑوں گنا ہو کر مل جاتی ہے۔ یہ ایک حیرت انگیز اور ایمان افروز معجزہ ہے لیکن ہمیں یہ عجیب اس
لئے نہیں لگتا کہ ہم بچپن سے ہر روز اسے وقوع پذیر ہوتا ہوا دیکھتے اور اس کے عادی ہو چکے ہیں۔
حالانکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت کی نشانیاں موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ سورۃ الواقعہ میں
ارشاد فرماتے ہیں۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ "جو کچھ
تم بوتے ہو بھلا اس پر غور کیا ہے تو کیا تم اسے اُگاتے ہو یا ہم اُگاتے ہیں"۔ بے شک بیج کے
ایک دانہ کو پھل تک پہنچانے والا سارا نظام اللہ تعالیٰ ہی کا پیدا کردہ ہے۔
اس کے حکم ہی سے مٹی کے اندر پوشیدہ عناصر، پانی کے حیات افروز جواہر، شمس و قمر کی زندگی
بخش شعائیں یہ بادل یہ ہوائیں مسخر اور پابند ہیں کہ زمین سے وہی کچھ اُگائیں جس کا بیج بویا
جائے۔ نباتات کے اس نظام میں کئی فصلیں چند مہینوں میں تیار ہو جاتی ہیں اور کئی درخت چند
سال بعد پھل دیتے ہیں۔ یہ اعمال و نتائج کا چھوٹا سا دائرہ ہے جس کا مشاہدہ ہم اپنی آنکھوں سے
کرتے ہیں۔ اسی طرح بہت بڑے پیمانے پر ایک کائناتی نظام بھی کارفرما ہے تا کہ انسان حیات

ارضی کے دوران دنیا کی کھیتی میں جس نوعیت کے اعمال کا بیج بوئے اس کا پھل حیات آخر
اسے تیار ملے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ
كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (الجاثیہ۔22)

''اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت سے پیدا کیا ہے تا کہ ہر شخص اپنے اعمال کا بدلا
اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا''۔

معلوم ہوا کہ کائنات کا نظام اس خاص مقصد کیلئے پیدا کیا گیا ہے کہ ہر ہر انسان کے ا
محفوظ کر کے اللہ کی حکمت کے تحت ان پر جو سزا یا جزا ملنی ہے اسے تکمیل تک پہنچا دے۔ ا
اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا ذکر، بنی نوع انسان کی خدمت اور دیگر صالح اعمال سرانجام دیں
آخرت میں خوشنما اور حسین باغات ومحلات، نغمے بکھیرتے ہوئے چشموں، دودھ اور شہد کی ن
اور دلکش حوروں کی صورت میں ظاہر ہونگے۔ اِسی طرح انسانوں کو ستانے اور ان پر ظلم
ڈھانے والے مکروہ اعمال وہاں کانٹے دار جھاڑیاں، گرم پانی کے چشموں، زہریلے سانپو
انگاروں کا روپ دھار کر گنہگاروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔ جس نوعیت کا عمل دنیا میں
گا آخرت میں اسی نوعیت اور اسکی مناسبت سے جزا وسزا ملے گی۔ قرآن کریم کی بیان
حقیقت ملاحظہ فرمائیں:۔

''اس روز کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اور تم کو بدلا ویسا ہی ملے گا جیسے تم کام
تھے''۔(یٰسین۔54)

''جو برے کام کرے گا اس کو بدلا بھی ویسا ہی ملے گا اور جو نیک کام کریگا مرد ہو یا عورت
وہ صاحب ایمان بھی ہو تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے۔ وہاں ان کو بے شمار رزق
گا''۔(المومن۔40)

''اور لوگوں نے جیسے کام کئے ہوں گے ان کے مطابق سب کے درجے ہوں گے۔ غ
ہے کہ سب کو ان کے اعمال کا پورا بدلا دے اور کسی پر ظلم نہ کیا جائے''۔ (الاحقاف۔19)

''کافرو! آج بہانے مت بناؤ۔ جو عمل تم کیا کرتے تھے انہی کا تم کو بدلا دیا جائے گا''۔
(التحریم۔7)

''اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے ان کو اس دن کے عذاب الیم کی خبر سنا دیں۔ جس دن وہ مال دوزخ کی آگ میں خوب گرم کیا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں، پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی اور کہا جائے گا کہ یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا۔ سو جو تم جمع کرتے تھے اب اس کا مزہ چکھو''۔ (التوبہ 34۔35)

ان آیات میں صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے کہ ہر گناہ کا بدلا اس کی مثل ہی دیا جائے گا اور اعمال کے مطابق ہی درجات ملیں گے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی احادیث میں بھی اس امر کی تشریح موجود ہے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا کہ جو کوئی رشوت میں پیش کئے گئے ہدیوں میں سے کچھ لے گا وہ اسے قیامت کے دن اپنی گردن پر لاد کر اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچے گا۔ اگر وہ اونٹ ہے تو اسکے منہ سے ویسی ہی آواز نکلے گی۔ اگر گائے ہے تو اسی قسم کی آواز ہو گی اور اگر بکری یا بھیڑ ہے تو اسی طرح منمنائے گی۔ حضور ﷺ کے معراج شریف کے واقعات میں مذکور ہے کہ جب آپ کی ملاقات اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی تو اُنہوں نے از راہ شفقت ارشاد فرمایا کہ اپنی امت کو میرا اسلام کہنا اور یہ پیغام دینا کہ جنت کی مٹی بڑی زرخیز اور پانی بہت وافر ہے وہ اس میں اللہ کے ذکر سے درختوں کے باغ لگائیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی مومن سبحان اللہ، الحمد للہ یا اللہ اکبر کہتا ہے تو اس کی جنت کے باغ میں ایک درخت لگا دیا جاتا ہے جس کے رنگ و بو کی کیفیت ذکر کے الفاظ سے مشابہت رکھتی ہے۔ سبحان اللہ! کتنا عظیم اور حیرت انگیز نظام کارفرما ہے تاکہ ہر انسان کو اس کے اقوال و افعال کا پورا پورا بدلا دیا جائے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی فصاحت و بلاغت پر قربان جایئے کہ اعمال و جزا کے انتہائی پیچیدہ نظام کو صرف ایک جملہ میں بیان فرما دیا۔

''اَلدُّنیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ۔ (یعنی دُنیا آخرت کی کھیتی ہے)

(جاری ہے)

حضرت جابر بن عبداللہؓ انصاری

(طالب الہاشمی)

غزوہ اُحد (شوال ۳ ہجری) کے چند دن بعد کا ذکر ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے ایک روز ایک مدنی جاںنثار سے فرمایا کہ آج میں تمہارے گھر آؤں گا۔ یہ صاحب رسول حضور ﷺ کا ارشاد سن کر اِس قدر خوش ہوئے کہ قدم زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ دوڑے دوڑے گھر گئے اور نہایت اہتمام سے حضور ﷺ کی دعوت کا سامان کیا پھر اپنی اہلیہ سے کہا:

''دیکھو رسول اللہؐ ہمارے غریب خانہ پر تشریف لا رہے ہیں، تم اپنے کام سے کام رکھنا بات چیت کر کے حضور ﷺ کو تکلیف نہ دینا''۔

تھوڑی دیر بعد سرورِ عالم ﷺ نے نزولِ اجلال فرمایا تو صاحب خانہ اور ان کی اہلیہ خوشی رسالت ﷺ کو اپنے گھر میں جلوہ بار دیکھ کر فرطِ مسرت سے بیخود ہو گئے اور حضور ﷺ کے راستے میں دیدہ و دل فرش راہ کر دیئے۔ بستر پہلے ہی بچھا رکھا تھا اس پر تکیہ بھی لگا دیا تھا۔ حضور ﷺ سے درخواست کی کہ یارسول اللہ ﷺ کچھ دیر آرام فرمایئے۔ آپؐ مصروفِ خوابِ استراحت ہوئے تو اُن صاحب نے اپنے غلام سے فرمایا کہ جلدی سے بکری کے اِس بچے کو ذبح کر کے پکالو ایسا نہ ہو کہ آپؐ جاگتے ہی منہ ہاتھ دھو کر روانہ ہو جائیں۔

حضور ﷺ بیدار ہو کر منہ ہاتھ دھونے سے فارغ ہوئے تو ان صاحب نے فوراً آپؐ کے سامنے دستر خوان بچھا دیا اور والہانہ ذوق وشوق کے ساتھ اپنے آقا و مولاؐ کی خدمت اقدس میں گوشت، خرما اور پانی پیش کر دیا۔ حضور ﷺ بہت مسرور ہوئے اور صاحب خانہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

''شاید تم کو علم ہے کہ میں گوشت رغبت سے کھاتا ہوں''۔

اُنہوں نے عرض کیا: ''ہاں یارسول اللہؐ ''۔

صاحب خانہ کے اہل قبیلہ کو معلوم ہوا کہ ان کے محلے کے ایک گھر کو سرور کائنات موجودات نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا ہے تو وہ آپؐ کی زیارت کیلئے

…۔ لیکن اس خیال سے کہ قریب جانے سے حضور ﷺ ناگواری محسوس نہ فرمائیں، دُور ہی دُور
…آپ کے دیدار سے مشرف ہو کر واپس چلے جاتے تھے۔
کھانے سے فارغ ہونے کے بعد حضور ﷺ چلنے لگے تو صاحب خانہ کی اہلیہ نے اندر سے
…کر کہا:
''یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میرے شوہر اور مجھ پر درود پڑھیئے''۔
سرورِ عالم ﷺ نے بلا تامل صاحب خانہ اور ان کی اہلیہ پر درود پڑھا، ''اللہ تم پر اور تمہارے
…پر رحمت نازل فرمائے''۔ اور پھر خوش خوش تشریف لے گئے۔
…مدینہ منورہ کے یہ خوش نصیب بخت صاحب رسولؐ جن پر خود صاحب قابِ قوسین رحمتِ دو
…ساقی کوثر ﷺ نے درود بھیجا۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ انصاری تھے اور اس سعادت میں
…ان کی اہلیہ حضرت سہیلہؓ بنت مسعود تھیں۔
سیدنا حضرت ابوعبداللہ جابر بن عبداللہؓ کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ ان کا
…خزرج کی شاخ بنوسلمہ سے تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔
جابرؓ بن عبداللہؓ بن عمرو بن حرام بن کعب بن غنم بن سلمہ۔
بنوسلمہ کی آبادی حرہ اور مسجد قبلتین تک پھیلی ہوئی تھی لیکن خاص حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ کا
…ان قبرستان اور ایک چھوٹی مسجد کے درمیان آباد تھا۔ حضرت جابرؓ کے دادا عمرو بن حرام اور
…عبداللہؓ بن عمرو اپنے قبیلہ کے روساء میں سے تھے۔ ایک چشمہ عین الارزق اور کئی قلعے انکے
…میں تھے تاہم حضرت جابرؓ کے والد اکثر مقروض رہتے تھے کیونکہ وہ کثیر العیال اور فیاض
حضرت جابرؓ ہجرت نبوی سے تقریباً انیس سال قبل پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرت
…سے نوازا تھا۔ اکثر ارباب سیر کا بیان ہے کہ وہ بیعت عقبہ کبیرہ (۱۳ھ بعد بعثت) کے موقع
…والد کے ساتھ شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ اس وقت ان کے عمر انیس برس کی تھی لیکن
…روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے والد حضرت عبداللہؓ بن عمرو سے پہلے ہی سعادت اندوز
ہو چکے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ اور طبرانیؒ نے خود حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ ''بیعت

عقبہ کبیرہ سے پہلے انصار کے محلوں میں کوئی ایسا نہ تھا جس میں مسلمانوں کی ایک جماعت نہ
جاتی ہو۔ ایک روز ہم سب جمع ہوئے اور طے کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو کب تک مکہ میں بے
مددگار چھوڑے رکھیں گے۔ اِس کے بعد ہم حج کے موقعہ پر مکہ گئے اور حضور ﷺ سے عقبہ
ملے"۔

بیعت عقبہ کبیرہ تاریخ اسلام کا ایک مہتم بالشان واقعہ ہے اور اس میں شریک ہونے وا
اصحاب کا ایک خاص مقام اور مرتبہ ہے۔ یہ وہ نفوس قدسی تھے جنہوں نے سارے عرب
مخالفت کے علی الرغم اِس پیمان وفا کے ساتھ مکہ کے دُرِ یتیم ﷺ کو یثرب آنے کی دعوت دی کہ
اپنی جانوں اولادوں اور مالوں کے ساتھ آپ کی حفاظت اور اعانت کریں گے۔ اِسی بیعت
نتیجہ تھا کہ چند ماہ بعد رحمت عالم ﷺ نے اپنا وطن اور گھر بار چھوڑ کر یثرب میں نزولِ اجلال ف
اور کفر و شرک کا یہ قدیم گہوارہ "مدینۃ النبیؐ" بن کر انوارِ رسالت سے جگمگانے لگا۔ گویا بیعت ع
کبیرہ کے شرکاء نے تاریخ کے دھارے کا رُخ موڑ ڈالا اور اپنے دامن میں ایسی سعادتیں سم
لیں جن میں کوئی دوسرا اِن کا شریک و سہیم نہیں ہے۔

رمضان المبارک ۲ ہجری میں حق اور باطل کے درمیان میدانِ بدر میں پہلا معرکہ پیش آ
حضرت جابرؓ نے بھی میدانِ جنگ کا عزم کیا لیکن والد حضرت عبداللہؓ بن عمرو نے انہیں یہ کہ
روک دیا کہ تم گھر پر رہ کر اپنی خُرد سال بہنوں کی خبر گیری کرو۔ چونکہ نو یا دس بہنوں کے اکلو
بھائی تھے اس لئے والد کے حکم کی تعمیل کی۔ خود حضرت عبداللہؓ نے حضور ﷺ کی ہمرکابی کا شر
حاصل کیا اور میدانِ بدر میں دادِ شجاعت دی۔ امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ حض
جابرؓ نے اگرچہ خاص لڑائی میں شرکت نہیں کی۔ لیکن وہ بدر پہنچ گئے تھے اور مسلمانوں کو پانی پلا
تھے۔ اگلے سال قریش نے بدر کی ہزیمت کا بدلہ لینے کیلئے بڑے زور شور سے مدینہ منور
چڑھائی کی اور اُحد کا معرکہ پیش آیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ غزوہ سے ایک شب پہلے حضرت عبد
بن عمرو نے حضرت جابرؓ کو بلایا اور کہا:

"بیٹے میرا دل کہہ رہا ہے کہ اِس لڑائی میں مجھے سب سے پہلے شہادت نصیب ہوگی۔

پنی جان مال اور اولاد ہر شے سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کو محبوب ہیں، آپ کے بعد تم سب سے بڑھ کر محبوب ہو، تم کو وصیت کرتا ہوں کہ گھر پر رہ کر اپنی بہنوں کی اچھی طرح خبر گیری کرنا اور مجھ پر جو قرض ہے اس کو ادا کر دینا"۔

حضرت جابرؓ لڑائی میں شامل ہونے کیلئے بے تاب تھے لیکن والد کے حکم سے مجبور ہو گئے کیونکہ بہنوں میں سے چھ بہت چھوٹی تھیں اور اگر وہ بھی لڑائی میں شامل ہو جاتے تو گھر بالکل خالی ہو جاتا۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرو نے میدانِ اُحد میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی اور یوں ان کی دلی تمنا پوری ہو گئی۔ شقی القلب مشرکین نے ان کی لاش کا مُثلہ کر ڈالا (کان، ناک اور ہونٹ کاٹ ڈالے) لڑائی ختم ہوئی تو مسلمانوں نے نعش پر کپڑا ڈال دیا۔ حضرت جابرؓ کو والد کی شہادت کی خبر ملی تو وہ میدانِ اُحد میں پہنچ گئے۔ والد کی لاش کے منہ سے کپڑا اٹھایا تو اسکی حالت دیکھ کر بے اختیار رونے لگے، اتنے میں ان کی پھوپھی حضرت ہندؓ بنت عمرو بن حرام بھی آ پہنچیں، بھائی کی لاش اس حالت میں دیکھ کر ان کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔ اِس موقع پر رحمت عالم ﷺ نے اِن سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"تم روؤ یا نہ روؤ فرشتے اپنے پروں سے عبداللہ پر سایہ کیے ہوئے ہیں"۔

مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ حضرت جابرؓ کی بہنوں نے مدینہ سے ایک اونٹ بھیجا کہ والد کی لاش کو اس پر لاد کر مدینہ لائیں اور بنو سلمہ کے خاندانی قبرستان میں دفن کریں۔ حضرت جابرؓ نے ایسا ہی کرنا چاہا لیکن حضور ﷺ نے اجازت نہ دی اور حضرت عبداللہؓ کو ان کے بہنوئی حضرت عمروؓ بن الجموع کے ساتھ اُحد کے گنج شہیداں میں ایک ہی قبر میں دفن کیا۔

جامع ترمذی میں ہے کہ غزوہ اُحد کے بعد حضرت جابرؓ سخت غمزدہ اور دلگیر تھے۔ حضورؐ نے انہیں اس حالت میں دیکھ کر پوچھا، جابر تم اتنے غمگین کیوں ہو؟ عرض کیا، یا رسول اللہ باپ شہید ہو گئے اور بہت سا قرض اور بچے چھوڑ گئے۔ اِنہی کے فکر میں مبتلا ہوں۔

حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کی شہادت کے بعد ان سے بلا واسطہ اور بے

حجاب گفتگو فرمائی حالانکہ اللہ تعالیٰ کسی سے بے پردہ کلام نہیں کرتا۔ اس نے تیرے باپ کو
سامنے بلا کر فرمایا، اے میرے بندے! جو تمنا ہو، بیان کر۔ انہوں نے عرض کیا، اے پروردگار
مجھے پھر دنیا میں بھیج دے تاکہ میں پھر تیرے دشمنوں سے جا کر لڑوں اور شہادت پاؤں۔ اللہ
نے فرمایا کہ یہ میرا قطعی فیصلہ ہے کہ جو دنیا سے آئے گا واپس نہیں بھیجا جائے گا۔ عبداللہؓ نے عرض
کیا کہ الٰہی میرے حال کی خبر میرے پسماندوں کو پہنچا دے۔ اس پر یہ ارشادِ خداوندی نازل
کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں''۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر حضرت جابر کو یوں محسوس ہوا کہ ان کے زخم پر تسکین بخش مرہم
کا پھاہا رکھ دیا گیا ہے۔ اِس واقعہ کے چند دن بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت حضرت جابرؓ کے
باغ میں تشریف لے گئے اور ان کے دو باغوں سے جو کھجور حاصل ہوئی تھی اِس کے ڈھیر پر بیٹھ
۔ اس سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جابرؓ کے یہودی قرض خواہوں کو کچھ رعایت کرنے یا قرض
قسطوں میں وصول کرنے کی ترغیب دے چکے تھے لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا تھا۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابرؓ کو حکم دیا کہ تم کھجوریں تقسیم کرنی شروع کرو۔ انہوں نے کھجوریں
بانٹنی شروع کیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دُعا میں مشغول ہو گئے۔ خدا کی قدرت، کھجوروں میں اتنی برکت
ہوئی کہ تمام قرض ادا ہونے کے بعد بھی کثیر مقدار میں بچ گئیں۔ حضرت جابرؓ قرض کے بوجھ
آزاد ہو کر بہت خوش ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے آپؐ کے ایک مخلص
جانثار کو ہر وقت کی فکر سے نجات دی۔ صحیح بخاری اور مسند احمد بن حنبل میں اِس واقعہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے معجزات میں شمار کیا گیا ہے۔

کھجوروں کی تقسیم کے بعد حضرت جابرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مکان پر لے گئے اور آپؐ کے
سامنے گوشت، خرما اور پانی پیش کیا۔ اِسی موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابرؓ اور ان کی اہلیہ پر درود
پڑھا۔ اِس واقعہ کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔

حضرت جابرؓ بدر اور اُحد کے غزووں میں پدرِ گرامی کی ممانعت کی بناء پر شریک نہ ہو سکے
ان کے بعد انہوں نے عہد رسالت کے تمام غزوات اور کئی سرایا میں والہانہ جوش و خروش

نھ شرکت کی۔ امام احمدؒ بن حنبلؒ کے بیان کے مطابق اُنہوں نے ۱۹ غزوات میں سرورِ عالمؐ کی
کابی کا شرف حاصل کیا۔ اربابِ سیر و مغازی نے بعض غزوات کے سلسلے میں ان کا ذکر
وصیت سے کیا ہے اور کوئی نہ کوئی خاص واقعہ اِن سے منسوب کیا ہے یا ان کی زبانی بیان کیا
۔ ان میں سے کچھ منتخب واقعات یہ ہیں۔

۵ھ ہجری میں غزوہ احزاب مسلمانوں کیلئے سخت آزمائش کی حیثیت رکھتا تھا۔ عرب کے
م دشمنانِ حق ایکا کر کے مدینہ منورہ پر چڑھ آئے تھے اور مسلمانوں کو اپنی حفاظت کیلئے سخت
یلی زمین میں خندق کھودنی پڑی تھی۔ پھر خوراک کی اتنی شدید قلت تھی کہ مسلمانوں کو پیٹ پر
باندھنے پڑے تھے۔ حضرت جابرؓ بھی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ خندق کھودنے میں شریک
صحیح مسلم اور بعض دوسری کتبِ حدیث میں اِن سے روایت ہے کہ ہم لوگ خندق کھودرہے
کہ ایک سخت چٹان سامنے آ گئی۔ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ خندق
ایک بڑا سخت پتھر سامنے آ گیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، میں خندق میں اُترتا ہوں چنانچہ
کدال لے کر کھڑے ہوئے اِس وقت آپؐ کے شکم مبارک پر (بھوک کی شدت کی وجہ سے)
پتھر بندھا ہوا تھا۔ ہم لوگ تین دن سے خندق کھودرہے تھے اور کوئی چیز ہمارے منہ میں نہیں
تھی۔ حضور ﷺ نے کدال سے چٹان پر ضرب لگائی تو وہ ریزہ ریزہ ہوگئی، میں نے حضور ﷺ
گھر جانے کی اجازت چاہی۔ آپؐ نے اجازت دے دی۔ میں نے گھر جا کر اپنی اہلیہ سے کہا
آج میں نے حضور ﷺ کو ایسی حالت میں دیکھا ہے کہ مجھ میں تاب صبر نہیں رہی، کیا گھر میں
کھانے کو ہے؟ اِس نے کہا کہ تھوڑے سے جو اور ایک بکری کا بچہ موجود ہے۔ میں نے بکری کا
ذبح کیا اور اِس کا گوشت ہانڈی میں ڈال کر پکنے کیلئے رکھ دیا۔ بیوی نے جو پیسے اور آٹا
رھا۔ پھر میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرے ہاں تشریف لا کر ما حضر
ل فرمایئے۔ آپؐ نے دعوت قبول فرمالی اور مہاجرین وانصار کو آواز دی کہ اے اہل خندق
جابرؓ نے تمہیں کھانے کی دعوت دی ہے پس تم لوگ جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ ساتھ ہی آپؐ
مجھ سے فرمایا کہ اپنی بیوی سے کہہ دو کہ جب تک میں نہ آجاؤں ہانڈی چولہے سے نہ اُتارے

اور نہ روٹی تنور سے نکالے۔ میں سخت پریشان ہوا اور اپنے جی میں کہا کہ حضور ﷺ
ایک صاع جو اور بکری کے ایک بچے پر لا رہے ہیں۔ میں نے گھر جا کر اپنی بیوی
تو نے مجھے رسوا کر دیا۔ حضور ﷺ سارے اہل خندق کو ساتھ لے کر کھانے کیلئے
ہیں، بیوی نے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ نے تم سے کچھ پوچھا تھا۔ میں نے کہا
دریافت فرمایا تھا کہ تمہارے پاس کتنا کھانا ہے۔ بیوی نے کہا، اللہ اور اللہ کا رسول
ہیں۔ پھر حضور ﷺ صحابہ سمیت تشریف لائے۔ آپؐ روٹی توڑ کر ثرید بناتے،
ڈالتے اور گوشت سے روٹیوں کو ڈھک دیتے، آپؐ برابر اسی طرح کرتے رہے اور
سامنے پیش کرتے رہے یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے اور آپ بھی۔ کھانا پھر بھی بچ رہا
نے میری بیوی سے فرمایا کہ تو بھی کھا اور لوگوں کو بھی بھیج کیونکہ لوگ بھوک میں مبتلا ہیں۔"

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق جن لوگوں نے اس موقع پر کھانا کھایا ان کی
ہزار تھی۔ بعض روایتوں میں یہ تعداد تین سو اور آٹھ سو بھی آئی ہے۔ یہ واقعہ بھی حضور ﷺ
معجزات میں شمار کیا جاتا ہے۔

غزوہ احزاب کے بعد حضرت جابرؓ کو غزوہ بنو مصطلق میں حضور ﷺ کی ہمرکابی
حاصل ہوا۔ روانگی سے پہلے حضرت جابرؓ کسی کام کیلئے گئے ہوئے تھے جب تک واپس نہ
حضور ﷺ نے کوچ کا حکم نہیں دیا۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرور عالم ﷺ کو حضرت جابرؓ کا کس قدر پاس خاطر تھا۔

غزوہ بنو مصطلق کے بعد حضرت جابرؓ غزوہ انمار میں شریک ہوئے۔ صحیح بخاری میں ا
روایت ہے کہ میں نے جنگ انمار کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کو سواری پر تشریف رکھے ہو
رو نماز ادا فرماتے دیکھا۔

غزوہ انمار کے بعد بیعت رضوان (۶ھ) کا عظیم الشان واقعہ پیش آیا۔ اس بیعت
سعادت حاصل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے کھلے لفظوں میں اپنی خوشنودی اور جنت کی بشارت
دی۔ حضرت جابرؓ بھی ان خوش بخت اصحاب میں شامل تھے۔ مسند احمد میں ہے کہ بیعت رضوان

وقت حضرت عمر فاروقؓ رسول اکرم ﷺ کا اور حضرت جابرؓ، حضرت عمر فاروقؓ کا دست مبارک
رے ہوئے تھے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق اس موقع پر حضور ﷺ نے وہاں پر
جو صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا: "تم لوگ ساری دنیا سے بہتر ہو"۔

بیعت رضوان کی سعادت حاصل کرنے کے بعد حضرت جابرؓ غزوہ خیبر اور پھر غزوہ ذات
رقاع میں شریک ہوئے۔ غزوہ ذات الرقاع سے واپسی کے وقت حضرت جابرؓ کا اونٹ یکایک
گیا۔ حضورؐ نے دیکھا تو فرمایا، اسے کیا ہوا۔ انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ معلوم نہیں
یوں اڑ گیا ہے کسی طرح چلنے کا نام ہی نہیں لیتا"۔

حضور ﷺ نے اونٹ کو ایک کوڑا مارا اور دعا کی۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ تیز دوڑنے لگا۔

حضور ﷺ نے فرمایا اس کو میرے ہاتھ فروخت کر دو۔

اُنہوں نے عرض کیا: "میرے ماں باپ آپ پر قربان فروخت نہیں کروں گا بلکہ آپ کی نذر
ہے"۔

حضور ﷺ نے فرمایا نہیں قیمت ضرور دی جائے گی۔

اُنہوں نے درخواست کی کہ مدینہ تک اسی پر جانے کی اجازت دی جائے۔

حضور ﷺ نے فرمایا، بہتر۔

مدینہ پہنچ کر اونٹ کی مہار پکڑے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔

"یارسول اللہ ﷺ یہ اونٹ قبول فرمایئے"۔

حضور ﷺ اونٹ کے گرداگرد پھرتے تھے اور فرماتے تھے، کیسا اچھا اونٹ ہے، کیسا عمدہ
اونٹ ہے۔

پھر حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ جابرؓ کو اتنے اوقیہ سونا تول دو۔ اُنہوں نے سونا تول کر دیا تو
حضور ﷺ نے کچھ اور بھی عطا فرمایا پھر ان سے پوچھا: "تمہیں اونٹ کی قیمت وصول ہو گئی؟"
عرض کیا: "ہاں، یارسول اللہ" فرمایا، جاؤ اونٹ بھی لے جاؤ۔ یہ میری طرف سے تمہیں ہدیہ ہے۔
رجب ۸ھ میں سرور عالم ﷺ نے حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کی قیادت میں ایک مہم

ساحل بحر کی طرف بھیجی اِس کا نام سریہ سیف البحر یا جیش الخبط ہے۔ اِس مہم کا مقصد قریش ک
حرکت کا پتہ لینا تھا۔ اِس میں تین سو آدمی شامل تھے جن میں حضرت جابرؓ بھی تھے۔ بدقسمتی
راستے میں رسد ختم ہوگئی اور اہل لشکر کو چند دنوں تک درختوں کے پتے جھاڑ جھاڑ کر کھانے پڑ
اِسی اثناء میں سمندر کی موجوں نے ایک بہت بڑی مچھلی کو کنارے پر لا ڈالا۔ اہل لشکر نے
انعام ربی سمجھا اور پندرہ دن تک اِس کا گوشت کھاتے رہے۔ صحیح بخاری میں حضرت جابرؓ
روایت ہے کہ اِس مچھلی کا نام عنبر تھا اور لوگوں نے اِس کا گوشت بھی کھایا اور اِس کا تیل بھی ملا
سے جسموں میں فربہی پیدا ہوئی۔ مچھلی اتنی بڑی تھی کہ حضرت ابوعبیدہؓ نے اِس کی ایک پسلی کھ
کی اور لشکر کے سب سے طویل شخص کو اونٹ پر بٹھا کر اِس کے نیچے سے گزرنے کیلئے کہا تو وہ
گیا۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت جابرؓ پانچ آدمیوں کے ساتھ اِس مچھلی کی آنکھ کی ہڈی میں
گئے تو کسی کو پتہ بھی نہ چلا۔

۸ھ ہجری میں فتح مکہ کے موقع پر حضرت جابرؓ کو اُن دس ہزار قدوسیوں میں شامل ہو
کا شرف حاصل ہوا جو رحمت عالم ﷺ کے ہمرکاب تھے اور جن کے بارے میں سینکڑوں بر
پہلے کتاب استشناء میں یوں پیشگوئی کی گئی تھی۔

"خداوند سینا سے آیا، شعیر سے ان پر آشکارا ہوا اور کوہِ فاران سے ان پر جلوہ گر ہوا اور د
ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا۔ اِس کے داہنے ہاتھ میں ان کے لئے آتشیں شریعت تھی"۔

فتح مکہ کے بعد حضرت جابرؓ نے غزوہ حنین میں دادِ شجاعت دی۔ اگلے سال (۹ھ ہج
میں) انہوں نے غزوہ تبوک کے پرصعوبت سفر میں سرورِ عالم ﷺ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کی
حجتہ الوداع (۱۰ھ ہجری) میں بھی وہ حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔

۱۱ھ ہجری میں آفتاب رسالت اللہ تعالیٰ کی شفق رحمت میں غروب ہوا تو حضرت جابرؓ ن
غم میں نڈھال ہو گئے اور مسجد نبوی میں بیٹھ کر ہمہ تن درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ اب ا
کے وقت کا بیشتر حصہ لوگوں کو قرآن پڑھانے اور حضور ﷺ کے ارشادات ان تک پہنچانے
صرف ہوتا تھا۔ دُور دُور سے لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور ان کے دریائے علم

یراب ہو کر واپس جاتے تھے۔ حضرت جابرؓ نے لسانِ رسالت سے سن رکھا تھا کہ تعلیم و تعلم کا
رجہ جہاد کے برابر ہے اِس لیے ان کو تعلیم و تعلم اور درس و افتاء میں خاص انہماک تھا۔ سالہا سال
تک مسلسل اپنے فیضانِ علمی سے مخلوقِ خدا کو بہرہ یاب کرتے رہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے
ہدِ خلافت میں حضرت امیر معاویہؓ نے مخالفانہ طرزِ عمل اختیار کیا تو حضرت جابرؓ نے حضرت علیؓ کی
زور حمایت کی۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل ہو کر صفین میں
میر معاویہؓ کے خلاف لڑائی میں بھرپور حصہ لیا اس کے بعد پھر مدینہ منورہ آ کر درس و افتاء میں
شغول ہو گئے۔ یہ ۳۷ھ کا واقعہ ہے۔ تین سال بعد امیر معاویہؓ کی طرف سے بسر بن ابی
رطاۃ مدینہ منورہ کا عامل بن کر آیا تو اِس نے اعلان کیا کہ بنوسلمہ کو اِس وقت تک امان نہیں مل سکتی
ب تک حضرت جابرؓ امیر معاویہؓ کی بیعت نہ کر لیں۔ حضرت جابرؓ نے اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ
ے مشورہ کیا اور بادلِ ناخواستہ بسر کے پاس جا کر امیر معاویہؓ کی حکومت پر بیعت کر لی۔ یزید کے
ہدِ حکومت (محرم ۶۱ھ) میں کربلا کا واقعہ ہائلہ پیش آیا تو حضرت جابرؓ کو بے حد صدمہ پہنچا۔
ب اُنہوں نے سنا کہ یزید نے شہیدانِ کربلا کے پسماندگان کو حضرت نعمان بن بشیرؓ کی نگرانی
ں دمشق سے مدینہ منورہ روانہ کیا ہے تو پیرانہ سالی کے عالم میں بنو ہاشم کے کچھ لوگوں کے ساتھ
ربلا پہنچے تا کہ غمزدہ قافلے کو اپنے ساتھ مدینہ منورہ لائیں۔ خاندانِ رسالت کا مصیبت زدہ قافلہ
ب دمشق سے کربلا پہنچا تو حضرت جابرؓ نے آنسوؤں اور آہوں کے ساتھ اِس کا استقبال کیا۔
ضرت زینبؓ بنت علیؓ نے بنو ہاشم کے لوگوں اور حضرت جابرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

”اے بنی ہاشم تمہارا چاند غروب ہو گیا“۔

اے میرے نانا کے صحابی تو نے جس بچے (حضرت حسینؓ) کو کبھی اپنے آقا کے دوشِ مبارک
وار کیا تھا، اِس کا جسمِ اطہر گھوڑوں کے سُموں سے پامال ہو گیا“۔

حضرت جابرؓ اور اِس موقع پر موجود دوسرے سب لوگ حضرت زینبؓ کی باتیں سن کر بے
نیار رونے لگے۔ اِس کے بعد وہ اِس مصیبت زدہ قافلے کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے اور جہاں
ک ممکن ہو سکا خاندانِ رسالت کے مظلوموں کی دل جوئی کرتے رہے۔

۷۴ ھ میں حجاج بن یوسف ثقفی مدینہ منورہ کا امیر مقرر ہو کر آیا تو اس نے ا
سے باز پرس کی جنہوں نے حضرت علیؓ کی پُر جوش حمایت کی تھی ان میں متعدد جلیل القدر
شامل تھے۔ حجاج نے سرورِ عالم ﷺ کے ان جانثاروں کے احترام کو بالائے طاق رکھتے
کی گردنوں اور ہاتھوں پر مہریں لگوائیں۔ ابن اثیرؒ نے "اُسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ حجاج نے
جابرؓ کے ہاتھ پر مہر لگوائی۔ اِس وقت وہ عمر کی ۹۴ منزلیں طے کر چکے تھے، آنکھیں جواب
تھیں۔ سخت ضعیف اور ناتواں ہو چکے تھے اور عقبی صحابہؓ میں سے صرف وہی حیات تھے
کے چند دن بعد پیغامِ اجل آ پہنچا اور عالم اسلام کی اِس برگزیدہ ہستی نے اس پر لبیک
روایت کے مطابق حجاج نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت
ذوالنورینؓ کے صاحبزادے ابانؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور بقیع میں سپردِ خاک کیا۔

حضرت جابرؓ نے اپنی زندگی میں دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی بیوی کا نام سہیلہؓ بنت م
ان کا تعلق انصار کے قبیلہ ظفر سے تھا۔ حضرت سہیلہؓ کے پہلے خاوند غزوہ اُحد سے پہلے فوت
تھے۔ حضرت جابرؓ کے والد حضرت عبداللہؓ نے غزوہ اُحد میں شہادت پائی تو اُنہوں نے ا
حضرت جابرؓ کے علاوہ نو یا دس خُرد سال بیٹیاں چھوڑیں، غالباً حضرت جابرؓ کی والدہ فوت
تھیں اِس لئے اُنہوں نے بہنوں کی نگہداشت اور مناسب غور پرداخت کیلئے حضرت سہ
مسعود سے نکاح کر لیا۔ حضور ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت جابرؓ سے فرمایا: "جابر
ایک بیوہ سے نکاح کیا ہے اگر کسی کنواری سے کرتے تو وہ تم سے چُہل کرتی تم اِس سے
کرتے"۔

اُنہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ، بہنیں کم سن تھیں اِس لئے کسی ہوشیار عورت کی ض
تھی جو ان کے بال سنوارتی، جوئیں نکالتی، کپڑے سی کر پہناتی"۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "تم نے ٹھیک کیا"۔

حضرت جابرؓ نے دوسرا نکاح اُم حارث سے کیا جو جلیل القدر صحابی حضرت محمدؓ بن
انصاری کی صاحبزادی تھیں۔

مسند احمد حنبل میں ہے کہ حضرت جابرؓ نے نکاح سے پہلے اُم حارث کو چھپ کر دیکھ لیا تھا

چونکہ اسلام میں عورت کو دیکھ کر شادی کرنے کی اجازت ہے۔

ان دونوں بیویوں سے حضرت جابرؓ کے تین لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں، عبدالرحمٰن

عبداللہ) عقیل، محمد، میمونہ، حمیدہ اور اُم حبیب۔

حضرت جابرؓ کا شمار اِن فضلائے صحابہؓ میں ہوتا ہے جنہیں علم و فضل کے اعتبار سے اساطین

ت تسلیم کیا جاتا ہے۔ اُنہوں نے سالہا سال بارگاہِ رسالت میں حاضر رہ کر بڑے ذوق و شوق

ے دین کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کے علاوہ اُنہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ

ضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت طلحہؓ، حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت معاذؓ

ن جبل، حضرت ابوسعید حذریؓ، حضرت اُم شریکؓ، حضرت اُم مالکؓ اور متعدد دوسرے جلیل

در صحابہؓ وصحابیاتؓ سے استفاضہ کیا تھا۔ اس طرح وہ علوم و معارف کا بحر زخار بن گئے تھے۔

آن حدیث اور فقہ سے خاص شغف تھا۔ اربابِ سیر کا بیان ہے کہ صرف اہل مدینہ ہی نہیں بلکہ

ں آفتاب علم کے پرتو سے مکہ معظمہ، یمن، عراق اور مصر تک کے لوگ مستفیذ ہوئے۔ ابن سعدؒ کا

ن ہے کہ حضرت جابرؓ اِن صحابہ کرامؓ میں سے ایک تھے جو مدینہ منورہ میں فتویٰ دیا کرتے تھے

ان کے فتووں پر پورا اعتماد کیا جاتا تھا۔ (جاری ہے)

دُعائے مغفرت

ملتان کے بھائی ناصر عباس شاہ کی اہلیہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئی ہیں۔ تمام بھائی ایصال ثواب کیلئے دُعا فرمائیں۔

مانتے ہیں کہ اسلام میں (PRIEST HOOD) پاپائیت اور برہمنیت نہیں ہے۔ ہم دینی
ین میں ملا کی اجارہ داری تسلیم نہیں کرتے اندھی تقلید کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اب اجتہاد اور بے قید و
اجتہاد کا وقت ہے۔ یہ دین بالکل آسان ہے اسے ہر ایک سمجھ سکتا ہے۔ اس میں کسی کی
ملاں کی ضرورت نہیں۔ ان کی آتش غضب کے شراروں سے دامن بچا کر عقل دُور کونے میں
ز منہ چھپائے رو رہی ہوتی ہے اور دین ان کی سادہ لوحی پر ہنس رہا ہوتا ہے۔
یہ درست ہے کہ اسلام پاپائیت اور برہمنیت کی لعنتوں سے پاک ہے۔ مُلا ہو یا مسٹر اِس
میں کی اجارہ داری نہیں۔ کوئی نسلی یا خاندانی نسبت کسی کو کوئی تشریحی اور خصوصی حق نہیں دیتی
مسلم کا حق ہے کہ وہ علوم اسلامیہ میں تبحر حاصل کرے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ
م کی نظر میں عالم جاہل میں کوئی فرق نہ ہو، یا ایک شخص جس نے ساری عمر اسلامی علوم اور اسرارِ
ت کے دریافت کرنے میں صرف کی ہو، اس کا وہی مقام ہو جو ایک ناواقف کا ہے۔ قرآن
ن صاف وضاحت فرما دی۔

هل يستوى الاعمى والبصير ٥

کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتے ہیں؟

قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون ٥

اور وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں ان لوگوں کی طرح نہیں جو جاہل ہیں۔

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ عالم و جاہل میں تمیز کی جائے اور اگر ایک شخص کی رائے کو اِس
ترجیح دی جاتی ہے کہ وہ شریعت کے اصولوں سے واقف ہے اور قرآن و سنت پر اِسے کامل
ہے تو اِسے نہ پاپائیت کہا جا سکتا ہے اور نہ برہمنیت۔ اور اگر ایک شخص کی رائے کو اِس لئے
اعتنا نہ سمجھا جائے کہ اُسے علوم اسلامی سے کوئی واسطہ نہیں تو اس کی یہ وجہ نہیں کہ ہم دین میں
اجارہ داری تسلیم کر رہے ہیں اور خدا اور اِس کے بندوں میں واسطوں کے قائل ہیں۔
کیا طب میں فقط ڈاکٹر اور تعمیر میں انجینئر اور قانون میں بیرسٹر کی رائے کو ہم ترجیح نہیں دیتے
انجینئروں کی انجمن ڈاکٹروں پر یہ اعتراض شروع کر دے کہ انہوں نے علاج معالجہ میں
ٹیرشپ قائم کر لی ہے اور ہمیں علاج اور آپریشن نہیں کرنے دیتے تو کیا آپ فنِ تعمیر کے

ان ماہرین کے احتجاج کو غیر معقولیت کی انتہا نہیں کہیں گے۔

یہی حقیقت اسلام کا مطالعہ کرتے وقت ملحوظ خاطر رکھئے۔ ایک عالم اِس لئے ہم نہیں رکھتا کہ وہ فلاں شخص کا لڑکا ہے اور فلاں خاندان کا فرد ہے، بلکہ اِس لئے اور فقط اس وہ قرآن وسنت کا عالم ہے۔ اصول شریعت کا ماہر ہے اور اغراض واسرار تشریع میں مہار ہے۔ اگر یہی پاپائیت اور برہمنیت ہے تو۔

این گناہیست کہ در شہرِ شما نیز کنند

منکرین سنت کے اعتراضات کی فہرست پر اگر آپ سرسری نظر ڈالیں تو آپ کو جائے گا کہ اِس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے سنت نبوی کو کسی ماہر اُستاد سے حاصل ورنہ یہ شکوک وشبہات اِن کی دماغی پریشانی کا سبب نہ بنے۔

کیا آپ نے اِن مریضوں کی خستہ حالی کا کبھی اندازہ لگایا ہے جنہیں بدقسمتی اِس طبی پاس لے گئی ہو جس نے فن طب اُستاد سے نہیں بلکہ فقط کتابوں کے مطالعہ سے حاصل کیا ان تمام دنیوی فنون میں اُستاد کی تربیت اور عملی رہنمائی کے بغیر کام نہیں چل سکتا اور انسان وفنون میں کمال حاصل نہیں کرسکتا تو اِسی طرح اور بالکل اِسی طرح قرآن وحدیث کا علم کرنے کیلئے کتابوں سے زیادہ فیض نگاہ اور برکت صحبت کی ضرورت ہے۔

کسی عالم دین کی رائے کو ترجیح دینے کو پاپائیت کہنا اور علوم دین کو آسان تصور کر فاضل اور ماہر اُستاد کے سامنے زانوئے ادب تہ نہ کرنا یہی دو باتیں ہمارے افکار کی پراگن ہماری پیہم ٹھوکروں کا سبب ہیں۔

فصل اول

اب آپ معترضین کے اعتراضات اور پھر ان کے جوابات ملاحظہ فرمایئے۔ آپ کو جائے گا کہ ان اعتراضات کا باعث یا تو جہالت ہے یا فساد فی الدین۔

پہلا اعتراض

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نحن احق بالشک

ابراھیم اذ قال رب ارنی کیف تحی الموتی قال اولم تومن قال بلی ولکن لیطمئن قلبی ۔الخ (رواہ البخاری ومسلم)

وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کرنے کے مستحق ہیں۔ جب انہوں نے کہا تھا۔ اے میرے رب مجھے دکھا تو کیسے مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تمہیں یقین نہیں۔ آپ نے عرض کی بیشک مجھے یقین ہے لیکن تاکہ میرا دل اور زیادہ مطمئن ہو جائے۔

اس حدیث کا یہ مفہوم سمجھ لینے کے بعد وہ برافروختہ ہو کر کہتے ہیں کہ یہ حدیث غلط ہے، کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو بھی اس میں شک تھا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مردوں کو زندہ کرسکتا ہے اور حضور کریم کی طرف بھی شک کی نسبت ثابت ہوتی ہے۔ حالانکہ ایک عام مسلمان بھی قدرتِ الٰہیہ میں شک نہیں کرسکتا۔ چہ جائے کہ اولوالعزم انبیاء کے قلوب میں شک کا گزر ہو سکے۔

اس کا جواب

لیکن آپ یقین کیجئے اس حدیث کا یہ معنی ہے ہی نہیں۔ اس سے تو شک کی نفی کی گئی ہے اور شک کی نفی کا اس سے زیادہ بلیغ اور پرزور انداز ہو ہی نہیں سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو بعض لوگوں کو یہ خیال گزرا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو شک کیا، لیکن ہمارے نبی علیہما الصلوٰۃ والسلام نے شک نہیں کیا، تو حضورؐ نے یہ کلماتِ طیبہ فرمائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شک کی نفی کی۔ یعنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ ابراہیم علیہ السلام کو شک تھا۔ اس لئے یہ سوال کیا (رب ارنی کیف تحی الموتی) وہ شک سے پاک تھے۔ انہوں نے صرف مزید اطمینان کیلئے سوال کیا تھا۔ کیونکہ اگر حضرت ابراہیم خلیل اللہ ابوالانبیاء، معمارِ کعبہ اور بانی ملت اسلامیہ ہونے کے باوجود شک کر سکتے ہیں تو ہمیں بطریق اولیٰ شک کرنا چاہیے لیکن جب ہم یقین کرتے ہیں اور ہمیں شک نہیں جیسے تم جانتے ہو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کب شک کر سکتے ہیں۔ چنانچہ علامہ قرطبی فرماتے ہیں۔

واما قول النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم نحن احق بالشک
ابراهیم، فمعناه انه لو کان شاکالکنا نحن احق به و نحن لا ن
فابراهیم علیه السلام احری الایشک۔

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کے اِس قول کا (نحن احق یعنی ہم حضرت ابراہیمؑ سے زیا
کرنے کے مستحق ہیں) یہ معنی ہے کہ اگر ابراہیم علیہ السلام نے شک کیا ہوتا تو ہم بطر
شک کرتے، لیکن ہمیں قطعاً شک نہیں تو ابراہیم علیہ السلام کو کیسے شک ہوسکتا ہے۔

اب آپ ہی فرمایئے کہ اِس حدیث سے شک کا اثبات ہوتا ہے یا نفی؟ اور نفی کا اِس
اسلوب اور کیا ہوسکتا ہے؟ اگر ہم کسی کلام کو اُلٹا معنی سمجھنے لگیں تو قصوروار کون ہے؟

حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے اِس کے علاوہ ایک اور جواب بھی دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

وحکی بعض علماء العربیة ان افعل ههنا جاء ت لنفی المعنی
الشیئین نحو قوله تعالیٰ اهم خیر ام قوم تبع ای لا خیر فی الفریقی
نحو قول القائل الشیطان خیر من فلان ای لا خیر فیهما فعلی
فمعنیٰ قوله نحن احق بالشک الخ ای لا شک عندنا جمیعا۔

(فتح الباری کتاب الانبیاء)

ترجمہ:۔ لغت عربی کے بعض ماہرین سے مروی ہے کہ اَفعل کا صیغہ کبھی کبھی دونوں چ
سے کسی معنی کی نفی کرنے کیلئے بھی مستعمل ہوتا ہے جس اِس میں کفار اور قوم تبع دونوں سے خی
کی گئی ہے۔ یا جیسے اگر کوئی کہے کہ فلاں شخص سے تو شیطان ہی اچھا ہے، جس سے مقصد یہ ہ
کہ دونوں برے ہیں۔ ماہرین لغت عرب کے اِس قول کے مطابق نحن احق بالشک
سے مقصد شک کی دونوں سے نفی کرتا ہے یعنی نہ ہم نے شک کیا اور نہ ابراہیم علیہ السلام
شک کیا۔

اُمید ہے آپ پر اِس اعتراض کی قلعی کھل گئی ہوگی، اور آپ پر واضح ہو گیا ہوگا کہ اِس ا
نبویؐ کا کیا مفہوم ہے کاش وہ حضرات یہ اعتراض کرنے سے پہلے کسی جاننے والے کی طر
رجوع کرتے اور اگر معاصرانہ چشمک اپنے ہم عصر علماء سے استفادہ کرنے کی اجازت نہیں

سلاف کی کتابوں کا ہی مطالعہ کر لیتے۔ حکم الٰہی ہے۔

فاسئلو اھل الذکر ان کنتم لا تعلمونo

اگر خود نہیں جانتے ہو تو اِن سے پوچھو جو جانتے ہیں۔

دوسرا اعتراض

اِسی حدیث کے آخری جملہ پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے، لیجئے وہ اعتراض بھی ملاحظہ

یئے۔ وہ جملہ ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم

لو لبثت فی السجن طول لبث یوسف لا جبت الداعی

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔

اگر میں اتنی مدت قید خانہ میں ٹھہرتا جتنی مدت یوسف علیہ السلام ٹھہرے تھے تو میں داعی

نے والے) کی دعوت قبول کر لیتا۔

یہاں معترض صاحب کو الداعی کا معنیٰ سمجھنے میں ٹھوکر لگی۔ وہ یہ سمجھے کہ شاید الداعی سے مراد

مصر کی بیوی ہے جس کے حسن و شباب کی فتنہ زا نخوتوں کو نبوت کے تقدس نے پائے حقارت

کرادیا تھا۔ داعی کا یہ مفہوم اگر ذہن میں ہو تو یہ حدیث پڑھ کر سر نہ چکرائے اور دل نہ ڈوبے،

م حیرت ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کس نے اِن کو بتایا کہ یہاں داعی سے مراد امراۃ العزیز

ندرجہ ذیل آیت پڑھئے آپکو خود بخود الداعی کا معنیٰ معلوم ہو جائے گا۔

وَقَالَ الْمَلِکُ ائْتُونِیْ بِہٖ فَلَمَّا جَاءَہُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّکَ
لْهُ مَا بَالُ النِّسْوَۃِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَھُنَّ اِنَّ رَبِّیْ بِکَیْدِھِنَّ عَلِیْمٌ o

رجمہ! بادشاہِ مصر نے کہا اِسے میرے پاس لے آؤ۔ تو جب اِن کے پاس بادشاہ کا قاصد

نے) آیا۔ تو آپ نے کہا اپنے مالک کی طرف لوٹ جا اور اِس سے پوچھ کہ اِن عورتوں

قت کیا ہے، جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے، میرا رب تو اِن کے فریب سے خوب

ہے۔ (یوسف۔50)

س حدیث میں نبی اکرم ﷺ حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کے صبر و تحمل، خودداری و

عزت نفس کی تعریف فرماتے ہیں کہ اتنی مدت دراز تک قید و بند کی سختیاں جھیلنے کے باوجود
ان کو رہائی کا پیغام بھیجا تو ان کی غیرت نے برداشت نہ کیا کہ جب تک زنانِ مصر اپنی غلطی کا
اعتراف نہ کرلیں۔ اور اِن کے دامن عصمت کی طہارت پر شہادتیں نہ دیں وہ قید خانہ سے
نکلیں۔ یہاں عزیز مصر کی بیوی کی طرف اشارہ تک نہیں۔ یہاں الداعی سے مُراد بادشاہ کا
قاصد ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کو رہائی کا مژدہ سنانے کیلئے آیا تھا۔ معلوم نہیں، حضرت
معترض نے کس سند سے رُوح کو لرزا دینے والی تفسیر سنائی اور اِسے ایک من گھڑت الزام حضرت
کی طرف منسوب کرنے کی کیسے جرأت ہوئی۔

حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ اِس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ای الاسرعت الا جابة فی الخروج من السجن ولما قدمت ط
البراء ة فوصفه بشدة الصبر حیث لم یبا در بالخروج. وانما قال صلی
علیه وسلم تواضعا والتواضع لا یحط مرتبة الکبیر بل یزیده رفعة و
لا وقدانه قال قبل ان یعلم انه افضل من الجمیع۔ (فتح الباری کتاب الانبیاء

یعنی حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اِس قول مبارک کا (لاجبت الداعی) یہ مطلب
کہ اگر میں ہوتا تو مجھے وہ بلانے آتا تو میں فوراً قید خانہ سے باہر نکلتا اور میں زنانِ مصر کی شہادت
انتظار نہ کرتا۔ اور اِس سے مقصد حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر و تحمل کی توصیف کرنا ہے۔

اِس سے بظاہر یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ نبی اکرم ﷺ تو حضرت یوسفؑ سے افضل و اعلیٰ
حضور خود ایسا کیوں نہ کرتے۔ اِس لئے اِس شبہ کو دُور کرنے کیلئے ابن حجر نے دو جواب
دیئے یعنی حضور ﷺ کا یہ ارشاد از راہِ تواضع و انکسار تھا اور تواضع سے متواضع کی عزت میں کمی نہیں
ہوتی۔ بلکہ اِس کی عظمت اور جلال میں اور اضافہ ہوتا ہے۔

یا یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ اِس وقت فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے ابھی مطلع نہیں
فرمایا تھا کہ آپ تمام انس و ملک سے افضل ہیں۔

اِس کی ایک لطیف حکمت علامہ قرطبی نے ذکر کی ہے جسے خوفِ طوالت کی وجہ سے نہیں
جسے شوق ہو وہ ان کی تفسیر میں ملاحظہ کرے۔ (تفسیر قرطبی جلد ۹، صفحہ ۲۰۷) ٭ (جاری)

سر زمین موسیٰ

(مولانا محمد الیاس اظہر الازہری)

جامع صالح طلائع

"باب الزویلہ" سے تھوڑا سا آگے ایک نہایت ہی تاریخی مسجد ہے جو ہے تو چھوٹی سی مگر اس
ی تاریخی اہمیت بڑی ہے۔ اِس مسجد کا ہال سنگ مرمر کے 18 ستونوں پر اور برآمدے 16
ونوں پر کھڑے ہیں۔ مسجد کی پیشانی پر جہاں عموماً وطن عزیز میں کلمہ طیبہ لکھا ہوتا ہے۔ایک لکڑی
بوسیدہ تختہ دیوار کے ساتھ بڑی بڑی آہنی میخوں سے ٹھونکا گیا ہے۔ہم نے وہاں کے متولیوں
ے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ اس تختہ پر امام حسین کا مبارک سر عرق سے غسل دیا گیا تھا اور پھر
ں جگہ سے اسے ازہر کے قریب اِس میدان میں دفن کیا گیا جسے آجکل "الحسین" کہتے ہیں۔
ں لئے یہاں مسجد بنوائی گئی اور تختہ محفوظ کیا گیا۔ یہ سڑک "شارع المعز لدین اللہ" کہلاتی ہے جو
ں سے "باب النصر" اور "باب الفتوح" سے شروع ہو کر جنوب میں "باب الزویلہ" تک تھی۔
نوں دروازے جو آج بھی موجود ہیں آخری فاطمی خلیفہ "العاضد باللہ" کے دور میں بنوائے
۔باب الزویلہ کے بعد مسجد صالح طلائع سے مزید جنوب کی طرف یہ سڑک قلعہ صلاح الدین
مغرب کی جانب شارع مجری العیون تک جاتی ہے۔

جامع عمرو بن العاصؓ

یہ مسجد مصر کی قدیم ترین اور اولین مسجد ہے جو اِس خیمے کی جگہ بنائی گئی جس میں حضرت عمرو
ںؓ فاتح مصر قیام پذیر تھے اور اسلامی لشکر کی کمانڈ کر رہے تھے۔ اِس قدیم محلے کا نام فسطاط
۔دراصل فسطاط عربی میں خیمے کو کہتے ہیں۔ جب مسلم لشکر سکندریہ فتح کرنے کی غرض سے
نہ ہوا تو خیمے اکھاڑنے کا حکم آ گیا۔ مگر حضرت عمرو بن العاصؓ کے خیمے میں جنگلی کبوتری نے
ے دیئے ہوئے تھے لہٰذا اِسے رہنے دیا گیا۔ بعد کو جب یہاں مسجد تعمیر کی گئی تو اِس کا محراب
ا اِس جگہ بنایا گیا جہاں حضرتؓ کا خیمہ تھا۔ اس مسجد میں کافی اضافے ہوئے ہیں اِس لئے
ے ہو بہو وہی مسجد تو نہیں کہہ سکتے البتہ جب اِس میں پہلی باجماعت نماز ادا کی گئی تو اِس میں مسلم

لشکر میں شامل 80 صحابہ کرام بھی موجود تھے۔ جن میں حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت
حضرت عمرو بن العاصؓ جیسے نامور اور جلیل القدر صحابہ بھی تھے۔ پہلی اذان حضرت ابو
دی۔ خطبہ جمعہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے دیا اب آپ اس مسجد کے تقدس کا خود اندازہ
ہیں۔ پورے عالم اسلام میں یہ دوسری مسجد تھی جو مسجد نبوی کے بعد تعمیر کی گئی۔ یہ مسجد آج بھی
عرب طرز تعمیر کا نمونہ ہے اور اب جدید وقدیم کا حسین امتزاج ہے۔ اِس مسجد کے صحن میں
ہے۔ جسکے اِردگرد ایک پختہ نالی سی بنی ہوئی ہے۔ اور قبہ کی گول دیوار میں چھوٹی چھوٹی گول
ہیں جن سے پانی باہر آتا ہوگا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وضو کی جگہ تھی لیکن آج کل ''دورۃ المیاہ''
باتھ روم۔ طہارت خانے اور وضو کی جگہ مسجد سے باہر مغربی جانب الگ بنی ہوئی ہے۔
جمعہ کے دن اِس مسجد کی زیارت کی اس لئے وضو باہر سے کیا۔ نماز کا خطبہ یہاں نے
صاحب ''دکتور عبدالصبور شاہین'' نے دیا خطبہ سابق وزیر داخلہ ''زکی بدر'' کی مذمت میں
اسلام پسندوں خصوصاً داڑھی والوں کا سخت دشمن تھا۔ دکتور شاہین کی اپنی گول مول چھو
خوبصورت کھچڑی داڑھی تھی اِس لئے یہاں جمعہ پڑھنے کا مزا آ گیا۔ یہاں نماز کے دوران
مصری نوجوان جس کے چہرے پر خوبصورت ''سچی'' ڈاڑھی تھی ہمارا دوست بن گیا اور نماز
اپنے گھر لے گیا جو اِسی محلے میں تھا۔ اِس نے چائے وغیرہ سے ہماری تواضع کی اور مزید ملا
کے پکے وعدے بھی ہوئے۔ اِس مسجد کی مساحت یعنی پیمائش میں نے دیسی طریقے سے کی
اس طرح تھی۔ مغربی برآمدے کے ۴۷ استون تھے جبکہ دائیں طرف ۴۵ ستون تھے۔ ہال
ستونوں پر قائم ہے اور ہال کے دائیں بائیں دروازوں کے ساتھ ۱۲ استون ہیں۔ برآمدے
تو صدر حسنی مبارک کے عہد حکومت میں رمضان ۱۴۰۶ھ میں ہوئی۔ پرانے ستون اور
تبدیل کر کے سیمنٹ اور کنکریٹ انہی بنیادوں پر لگائی گئی۔ صحن میں فوارہ اور اس پر گنبد
جہاں پہلے وضوا ہوا کرتا تھا بطور یادگار باقی رہنے دیا گیا۔ اندر ہال کے ستون اور چھت پرا
ہیں۔ چھت لکڑی کی اور ستون سنگ مرمر کے ہیں۔ مسجد کے بائیں کونے میں حضرت عبدا
عمرو بن العاصؓ کا مزار ہے وہاں فاتحہ پڑھی۔ کئی عورتیں وہاں سکرٹ پہنے سروں کو رومالوں

ھا نے اپنے زعم میں حجاب کر کے نوافل پڑھ رہی تھیں۔ نیچے آدھی پنڈلیاں برہنہ تھیں۔ اس
جد میں لمبائی جو میں نے قدموں سے ناپی تھی وہ محراب سے بیرونی صدر دروازے تک 78
رم تھی۔ جبکہ چوڑائی دیواروں سمیت تقریباً چوکور شکل میں ہے۔ مسجد کے موجودہ نئے منبر کے
یں جانب ایک پرانا خوبصورت سیاہ رنگ کی لکڑی کا منقش منبر بھی ہے۔ اس کے ساتھ پرانا
اب بھی ہے۔ مسجد کے صحن میں ایک بڑے بورڈ پر مندرجہ ذیل عبارت درج ہے۔

"جامع عمرو بن العاص ۲۱ھ ۶۳۲ء اول المساجد التی انشئت فی مصر و افریقیا و جامعة علمیة فی
راسسه عمرو بن العاص وکانت مساحتہ فی بادی الامر ۲۵ھ ۱۵ام وعمدتہ من جذوع النخل وسقفہ من
النخیل وارضیتہ من الحصباء وکان بدون الصحن۔ واحدثت بہ زیارات واضافت فی العصور
یتہ۔ ففی العصر الاموی اضاف الوالی بن مخلد عام ۵۳ھ ۶۷۲م ثم ہدمہ واعاد بناہ الوالی قرۃ بن
ق ۹۳ھ ۷۱۰م۔ وفی عام ۲۱۲ھ ۸۲۷م اضاف الیہ عبداللہ بن طاہر والی مصر من قبل الخلیفة
ون مساحتہ تعاول مساحتہ السابقة وھی المساحبتہ التی علیھا الجامع الان وفی عام ۱۲۱۲ھ ۱۷۹۷م
مراد بک باجراء تعلیل بابوان القبلة فغیہ اتجارۃ لعقود وجعلھا متعامدۃ علی جدار القبلة بعد ان
ت توازیہ لہ کما قام منتقین بالجامع"۔

(یعنی جامع مسجد حضرت عمرو بن العاصؓ 21ھ بمطابق 636ء یہ ان مساجد میں سب سے
سجد ہے جو مصر اور افریقہ میں تعمیر کی گئیں۔ اور یہ مصر میں پہلی علمی یونیورسٹی ہے جس کی بنیاد
ت عمرو بن العاصؓ نے رکھی تھی۔ ابتدا میں اس کی کل پیائش 25 ضرب 15 میٹر تھی اور اس
ون تو کھجور کے تنوں کے مگر چھت کھجور کی شاخوں کی تھی جبکہ اس کا فرش کنکریوں کا تھا۔
بالکل ابتدائی مسجد نبوی کی طرح) اور صحن کے بغیر تھی۔ پھر اس میں نئے نئے اضافے کئے
جنکی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔ اموی دور خلافت میں والئ مصر ابن مخلد نے 53ھ بمطابق
ھ میں اس کا کل رقبہ اصل سے دوگنا کر دیا۔ پھر عبدالعزیز بن مروان نے 79ھ بمطابق
یں مزید اضافہ کیا۔ پھر مروان قرہ بن شرق نے 93ھ بمطابق 710ھ اسے گرا کر اس کی
بارہ کروائی۔ 212ھ بمطابق 827ھ میں والئ عبداللہ بن طاہر نے خلیفہ مامون الرشید

کی طرف سے اس میں اس کی پہلی پیائش کے برابر دوگنا مزید اضافہ کر دیا۔اور

جس پر اس وقت مسجد موجود ہے۔اور 1212ھ بمطابق 1797ء کی حکمران

کی طرف والے ہال کی قبلہ دیوار کی بجیاں دور کر کے اسے بالکل سیدھی دیوار

پہلے دوستونوں پر تھی۔اور جامع مسجد عمرو بن العاصؓ کے دو مینار بھی بنوائے) ہمیں

بہت دکھ ہوا کہ پورے شہر کا کچرا اور دیگر غلاظتیں میونسپلٹی کی گاڑیوں کے ذریعے مسجد

نواح میں پھینکا جاتا ہے۔اس طرح مسجد کا ماحول بہت گندہ اور متعفن ہے۔مجھے تو

روڈ یا سلطان پورہ فیض باغ کا علاقہ آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔

مسجد احمد بن طولون

قدیم مساجد میں جامع احمد بن طولون جاہ وجلال کا نمونہ ہے۔یہ مسجد ایک قلعہ

قدیم چٹان کو ہموار کر کے اس پر یہ مسجد تعمیر کی گئی ہے۔اس کا مینار مسجد سے باہر شمال کی طرف

مینار چوکور ہے اور اس کی سیڑھیاں باہر کی طرف ہیں۔مینار پر چڑھنے کیلئے مینار کے چاروں

گھومنا پڑتا ہے۔مینار کی بلندی پر گول گنبد ہے۔اس کے جھروکوں سے پورے قاہرہ کا

گیا۔مسجد کے اندر داخل ہوئے تو وہاں کے محافظ نے ہمارے سامنے رسید بک لہرائی

"مسلم" تو وہ کھسیانا سا ہو کر ایک طرف ہٹ گیا۔مسجد کا فرش وسیع وعریض ہے۔درمیان

تھا جس کے اوپر گنبد اور چاروں طرف وضو کی جگہ تھی مگر آجکل ویران ہے۔اس مسجد میں

نماز جمعہ ہوتی ہے۔پنجگانہ نماز کیلئے ایک کونے میں دو چار ٹوٹی پھوٹی چٹائیاں بچھادی

اتنی بڑی مسجد پورے قاہرہ میں کوئی نہیں۔اس کی دیواریں شاہی قلعے کی طرح ہیں۔لیکن

کی بجائے پتھر کی ہیں۔مسجد کے اندر داخل ہوں تو ایک قسم کے جلال اور ہیبت سے انسان

ہو جاتا ہے۔اس کی چھت لکڑی کی ہے اور پورے ہال میں بڑے بڑے مہیب 90 ستون

اندر ایک روایتی چوبی منبر ہے جو مسجد کے خوبصورت منقش محراب کے دائیں جانب رکھا

محراب کے اوپر بہت خوبصورت منقش گنبد ہے۔مسجد کے صحن کے چاروں طرف اسی طرح

بڑے بڑے ستونوں پر ایستادہ برآمدہ ہے۔مسجد کے باہر نکلیں تو بائیں طرف ایک بہت بڑا

ر اور لائبریری ہے جسے دیکھنے کیلئے نہ تو ہمارے پاس وقت تھا نہ پیسے۔ البتہ مسجد کی چھت پر
ے کر دور جبل مقطم پر واقع قلعہ صلاح الدین۔ اس کے اندر واقع مسجد محمد علی اور بجلی کے بہت
نچے ٹاور کی تصاویر بنائی گئیں۔ سچ پوچھئے تو اِس مسجد کی عظمت نے بہت متاثر کیا۔ یہ واحد مسجد تھی
ں کے ساتھ کوئی مقبرہ وغیرہ نہیں دیکھا۔ ورنہ باقی تمام مساجد کے ساتھ اِس کے بانیوں اور
ین کی قبریں بھی ہیں۔ باہر انگریز لوگ اس کی دیواروں کی قلعی کھرچ کھرچ کر نیچے دبے
ے نقش ونگار کی ویڈیو فلمیں بنا رہے تھے۔

مسجد امام الرفاعی

قلعہ صلاح الدین کے نیچے قدیم قبرستان کے اِس پار بجانب قدیم مصر ایک بہت بڑی مسجد
ر کی بنی ہوئی ہے۔ اور اس پر وہی پتھر استعمال ہوا ہے جو قلعہ کے اندر مسجد محمد علی میں تھا۔ یہ مسجد
قلعہ نما ہے اور اس کی بیرونی دیواریں بڑی اونچی اور ہیبت ناک ہیں۔ اِس مسجد کا شرقی دروازہ
ا۔ لہٰذا ہم جنوبی پھاٹک سے داخل ہوئے۔ آگے ایک بہت بڑا آہنی زنجیر لگایا گیا ہے۔
ں کے لالچی ایک شخص نے آگے بڑھ کر مسجد کی بجائے پہلے قبروں کی ''زیارت'' کرانے کی
ں کی جو بخوشی قبول کرتے ہوئے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ یعنی اِس نے مصری زبان میں کہا ''
'' تو ہم باقاعدہ اور طلائی کام والے دروازے سے ''خوش'' ہو گئے۔ ''یاد رہے مصری ''ادخل''
داخل ہو جا'' کی بجائے خوشی کا لفظ بولتے ہیں۔ یہ دروازہ جس سے ہم اندر داخل ہوئے یہ
کے جنوب مشرق کی طرف تھا۔ دروازہ خوبصورت لکڑی منقش جالی اور کام سے پر تھا۔ اندر جا
یا دیکھتے ہیں کہ سب سے پہلے مصر کے بادشاہ ''شاہ فاروق'' کی قبر ہے جو سنگ مرمر کی بنی
ی۔ اِس کے قدموں کی طرف ''فواد'' کی ماں اور ''فاروق'' کی دادی کی قبر تھی جسکا نام ''ملکہ
ی خانم'' ہوگا۔ جواب ''ھانم'' بنا ہوا تھا۔ اِن قبروں سے غربی جانب ایک الگ کمرے میں
ا کے بھگوڑے بادشاہ رضا شاہ پہلوی کی قبر ہے۔ جو خوبصورت سبز سنگ مرمر کی بنی ہوئی
جیسے علامہ اقبال کی قبر ہے ایک کونے میں ایران کا پرانا پرچم جس پر سورج اور شیر کا نقش بنا
ہے۔ نصب تھا۔ اِس جھنڈے کے نیچے ایک تختی پر لکھا تھا ''اعلیٰ حضرت آریا مہر شہنشاہ ایران

محمد رضا شاہ پہلوی"۔ ہم نے اس عبرتکدے سے نکل کر مشرقی جانب شیخ الرفاعی کے
فاتحہ پڑھی۔ اور مسجد کے ہال کی جانب بڑھنے لگے گائیڈ مذکور ہم سے چمٹ گیا اور
مطالبے میں ہمارے کپڑے بھی اُتار لینے پر آمادہ ہوگیا۔ آخر کار ہم نے اسے اپنے غر
اور طالب علمی کا واسطہ دے کر بیس قرش دے کر جان چھڑائی۔

مسجد میں نماز جمعہ کی تیاری ہو رہی تھی۔ اِس لئے قاہرہ ٹی وی والوں نے سامعین
در آمد شدہ گروپ نیم دائرے کی شکل میں بٹھایا ہوا تھا اور ایک کلین شیو مولوی کو تقریر کر
بالکل "ریڈ الرٹ" کیا ہوا تھا۔ ہم نے ان کا تماشا تو دیکھا مگر ان کے سامعین میں داخل ہو
کوشش نہ کی کیونکہ ہم خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے مسجد کو
نظر سے دیکھ کر باہر نکل آنے میں ہی عافیت سمجھی۔ اور نماز جمعہ جامع ازہر میں ادا کر
روانہ ہو گئے۔

راستے میں ایک مصری نوجوان سے راستہ پوچھا تو وہ بقلم خود ہمیں الازہر تک چھوڑ
جمعہ پڑھنے ہمارے ساتھ ہولیا۔ یہ نوجوان ایک پینٹر تھا۔ یہ ہمیں جس بازار سے جامع از
لایا اس کا نام "سوق المغر بلین" تھا۔ ہم نے اِس کا مطلب پوچھا تو بولا اس کے معنی ہیں
اشیاء خورد و نوش والا بازار خاص طور پر جہاں سے ہر چیز خام حالت میں مل سکے۔ اِس
گوجرانوالہ کا "دال بازار" اور لاہور کی اکبری اور لوہاری منڈیاں یاد آ گئیں۔ بالکل وہی نقش
یہ بازار قلعہ صلاح الدین سے نیچے "شارع محمد علی" سے شروع ہو کر "علی طول" جامع از
ناک کی سیدھ میں جاتا ہے۔ اِس نوجوان پینٹر کا نام "حسین ولید" تھا۔ اِس نے ہمیں زبرد
کا جوس پلایا۔ وہ ناشتہ کرانے پر بھی مصر تھا مگر ہم نے شکریہ ادا کر کے اِسے بڑی مشکل سے
کارِ خیر سے باز رکھا۔ کیونکہ شیخ اسماعیل کی پر جوش تقریر بھی سننا تھی۔

مسجد سلطان حسن بن قلاوون

یہ مسجد جامع امام الرفاعی کے بالکل سامنے جنوبی دروازے کے بالمقابل ہے۔ درمیان
صرف ایک سڑک حائل ہے۔ یہ بہت اونچی اور ستون پر ایستادہ ہے۔ یہ بھی بالکل قلعہ نما

کی دیواریں بہت اونچی اور پتھر سے بنی ہوئی ہیں۔ 757ھ بمطابق 1365 میں سلطان
حسن بن قلاوون نے بنوائی تھی۔ بہت بڑے گیٹ سے اندر داخل ہونے لگے تو ایک مصری اہل
نے روکا اور پوچھا کہ مسلمان ہو؟ ہم نے اثبات میں جواب دیا تو بلاٹکٹ اندر داخل ہونے کی
اجازت دے دی۔ طویل راہداری سے گزر کر دالان میں پہنچے۔ صحن کے بالکل درمیان میں گول
حوض تھا۔ جسکے گرد وضو کیلئے ٹونٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ آگے ایک برآمدہ تھا جس پر چھت بھی تھی۔
یہاں طالب علم یا تمام لوگ قرآن خوانی کرتے ہیں۔ اس سے آگے مسجد کا ہال ہے۔ جس میں
منبر اور محراب ہے۔ چھت اتنی اونچی ہے کہ اوپر دیکھنے سے ٹوپی گر گئی۔ پتھر پر سنگ تراشی
کے اچھے نمونے دیکھنے کو ملے۔ صحن کے دائیں بائیں چاروں کونوں میں چار بڑے بڑے گیٹ
اور مقفل تھے۔ ان دروازوں پر تختیاں آویزاں تھیں۔ جن کے پیچھے مسجد اور مدرسہ کے
کمرے ہوں گے جہاں چاروں مذاہب کی فقہ پڑھنے کا انتظام ہوگا۔ جو ظاہر ہے آجکل تو نہیں
بلکہ آثار قدیمہ میں شمار ہوتے ہیں۔ قلعہ کی جانب ایک دروازہ تھا۔ جو مسجد کی دیوار میں تھا۔
اس سے اندر داخل ہوئے تو ایک خوبصورت مقبرے پر پہنچے۔ جو اس مسجد اور مدرسہ کے بانی
سلطان حسن بن قلاوون'' کا تھا۔ ہم نے اس مزار پر فاتحہ خوانی کی اور وہاں عرصہ 35 برس سے
مقیم ایک شخص سے پوچھا جو کہ اس مسجد کا موذن تھا۔ اس کے نیچے کیا ہے؟ اس نے بتایا نیچے
تہہ خانہ ہے اور اصل قبر اس میں ہے۔ ایک طرف پتھر کی چار بڑی سلوں کی طرف اشارہ کرتے
ہوئے کہنے لگا ان سلوں کے نیچے سرنگ ہے جو نیچے جاتی ہے۔

مصر کے ''بنیاد پرستوں'' سے یارا

ایک دن قاہرہ کے مشہور چوک ''میدان التحریر'' یعنی آزادی چوک میں ''مسجد عمر مکرم'' میں
ایک نوجوان مصری نے ہم سے مصافحہ کیا اور ہماری شہریت پوچھنے لگا۔ ہمارے پاکستانی ہونے پر
بہت خوش ہوا۔ اور ہمارا دوست بن گیا۔ اس نے دوسرے دن اسی مسجد میں ملاقات کا وقت طے
کیا۔ دوسرے دن ٹھیک دو بجے مسجد مکرم میں پہنچے اور نماز ظہر ادا کرنے بعد اپنے مصری دوست کا
انتظار کرنے لگے۔ اس دوران ایک اور باریش نوجوان سے شناسائی ہوگئی۔ دو بج کر تیس منٹ

کے قریب ہمارا دوست عربی لباس میں ملبوس آ پہنچا اور دیر سے آنے پر معذرت کر
گفتگو کے درمیان ہی اذان عصر ہو گئی۔ ہم سب نے با جماعت نماز ادا کی اس کے
جلدی ایک زیر زمین راستے سے نیچے اُترے جو اِسی "میدان تحریر" میں تھا۔ نیچے بہت
ریلوے اسٹیشن تھا۔ جو ٹیوب لائٹس کی وجہ سے جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ ہمارے دو
دوستوں نے ٹکٹیں خریدیں اور ہم پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگے۔ اتنے میں بہت خوبصورت ا
ریل کار آ گئی۔ اس کے دروازے آٹومیٹک تھے۔ اور پورا نظام ڈرائیور کی کنٹرول میں
لوگ اُترے اور ہم جلدی جلدی سوار ہو گئے۔ گاڑی کی رفتار بہت تیز تھی۔ اندر صوفہ نما
جو صرف کھڑکیوں کے ساتھ تھیں۔ جیسے ائیر پورٹ والی بس میں ہوتی ہیں۔ ان پر کچھ
حضرات براجماں تھے۔ باقی سب کھڑے تھے اور چھت کے ساتھ لٹکنے والی چمڑے کی
تھامے ہوئے تھے تاکہ کھڑے کھڑے جھٹکے سے گر نہ پڑیں۔ اِس زیر زمین خوبصورت ر
ایسے تو میٹرو ٹرین کہا جاتا ہے مگر مصری صرف "مترو" بولتے ہیں۔ آگے جا کر کئی اسٹیشن
کے بعد وہ گاڑی باہر آ گئی اور دونوں طرف اونچی دیوار کی وجہ سے شہری آبادی تو نظر آر
البتہ دھوپ وغیرہ اوپر سے نظر نہیں آتی تھی۔ آخر کار اِس دوست کا علاقہ آ گیا۔ اس علا
"منطقہ عین شمس" کہتے ہیں۔ یہ علاقہ قاہرہ کے شمال میں واقع ہے۔ دوست کٹر مذہبی آ
لہٰذا ان کے گھر میں پردے کا سخت انتظام تھا۔ اِس نے گھر پہنچتے ہی میز پر کھانا لگا دیا
ڈیڑھ فٹ اونچی تھی اور ہم میز کے اردگرد فرش پر بچھی دری یا قالین پر بیٹھ کر کھانا کھانے لگے
دوست بھی ہمارے ساتھ ہی تھا۔ کھانے کے دوران باتیں بھی ہو رہی تھیں۔ معلوم ہوا کہ
مذہبی ہیں اور مغربی لباس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ آپ لوگ بھی با
لباس پہنتے ہیں اس پر انہوں نے کہا یہ ہماری مجبوری ہے۔ ہم طالب علم ہیں اور جامعہ
علاوہ کسی بھی سکول یا یونیورسٹی میں دیسی لباس پہننے کی اجازت نہیں۔ انہوں نے "
المسلمین" کے حالیہ فتوے پر بھی سخت غم و غصے کا اظہار کیا جس میں "اخوان" کے علماء نے
سے کہا ہے کہ اب داڑھی نہ رکھنا ضروری ہے کیونکہ داڑھی والا سڑک پر جا رہا ہو تو مخبروں

پوری ٹیم جس کا جال پورے مصر میں پھیلا ہوا ہے۔اس کا تعاقب کرے گی اور اِس کی تمام شبانہ
روز کی سرگرمیوں کو نوٹ کر کے وزارت داخلہ تک پہنچائے گی۔ اِس طرح اِس نوجوان کی شامت
آ جائے گی۔مگر ہمارے یہ تبلیغی بھائی اِس قدر ثابت قدم اور دلیر ہیں کہ جو ہونا ہے ہو جائے ہم
مسلمانوں کی شکل وصورت میں مرنا چاہتے ہیں۔ اِس لئے داڑھی کے منڈوانے کا سوال ہی پیدا
نہیں ہوتا۔اِن کی خواتین کسی ڈاڑھی منڈوانے والے سے شادی نہیں کرتیں۔گویا مصری معاشرہ
اس وقت دو انتہاؤں کے درمیان ہے۔اندر خانے لاوا پک رہا ہے اور باہر ہر چوک پر بورڈ لگے
ہوئے ہیں جن پر لکھا ہوا ہے۔''مصر الامن والامان''یعنی مصر میں مکمل امن وامان ہے۔جاسوسی
اور تعاقب کا نظام اتنا سخت ہے کہ موچی اور نائی بھی جاسوس ہو سکتے ہیں۔ایک مسجد میں نماز ادا کی
جس کا نام اِس نوجوان نے''مسجد اخلاص'' رکھا ہوا ہے۔ یہاں کے امام صاحب ایک باریش
نوجوان تھے۔جنہیں داڑھی رکھنے کی پاداش میں فوج سے نکال دیا گیا تھا اور آج کل اِس مسجد میں
دن پر دعوت وتبلیغ کا کام کر رہے ہیں۔نماز کے بعد ہم نے پوچھا کہ یار ہم بھی داڑھیوں والے
ہیں کہیں دھر نہ لیا جائے؟ تو انہوں نے ہنستے ہوئے تسلی دی نہیں آپ لوگ''اجانب''یعنی غیر ملکی
ہیں اور اِس بات کا علم پوری مصری حکومت کو ہے۔یعنی آپ لوگ ائمہ ہیں آپ کی ڈاڑھی نہ
صرف قابل برداشت ہے بلکہ قابل احترام بھی ہے۔اِس لئے خاطر جمع رکھیں۔اِس کا تجربہ ہمیں
ایک بار اِس وقت ہوا جب ٹی وی والوں کی ٹیم ہماری کلاس روم میں آ گئی اور لمبی داڑھی والے
بڑھی علماء خصوصاً ڈاکٹر خالد محمود سومرو صاحب کو اگلی لائن میں بٹھا کر ان کی داڑھی کو مزید بکھیر
بکھیر کر ویڈیو کیمرے کو ان کے چہرے پر مرکوز کر کے مختلف زاویوں سے فلم بنانے لگے۔اگرچہ
ہمارے علماء کرام اِس پر بہت تلملائے بھی تھے مگر میرے جیسے ظریفوں نے اپنے مونہوں میں
کپڑے ٹھونس ٹھونس کر بڑی مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کی تھی اور بزرگوں کو دلاسے بھی دیئے تھے کہ
بس چند منٹ کا کام ہے پھر آپ آزاد ہوں گے۔

ان میزبانوں میں سے ایک اپنی گاڑی پر ہمیں عشاء سے قبل ہمارے کیمپس میں پہنچا آیا۔
ا دوست ایک بدھ کو ہمارے ہاسٹل کی مہمان خانے میں آ موجود ہوا اور ہمیں اپنے ساتھ گھر

لے گیا۔ کھانے کے بعد اِن کے شیخ کا درس سننے کا پروگرام تھا۔ چنانچہ تیزی سے روانہ ہو
لوگ قاہرہ کے شمال میں منطقہ عین شمس میں رہتے ہیں جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے جبکہ ان
دور جنوب میں محلہ امام شافعی میں درس دیتے ہیں۔ یہ شیخ مصر کے سلفیوں کا زبردست راہنم
ہر بدھ کو نماز مغرب کے بعد اِس کا درس ہوتا ہے جس کے دوران ہی نماز عشاء ہو جاتی ہے۔

(جاری ہے)

سالانہ اجتماع 2011ء

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا سالانہ اِجتماع

8,9۔ اپریل بروز جمعہ، ہفتہ کو

مرکز تعمیر ملت گوجرانوالہ میں طے پا چکا ہے۔

تمام بھائی ذوق وشوق کے ساتھ

شرکت فرمائیں

عہد نبوی میں نظام تعلیم

(ڈاکٹر محمد حمید اللہ)

قبل ہجرت اسلام

یہ چیز عام طور سے معلوم ہے کہ اسلام کا آغاز اِس وقت سے ہوا جب حضرت محمد ﷺ پر
یس سال کی عمر میں وحی اُتری۔ اِس بات کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ نوعمری میں آپؐ نے لکھنے اور
نے کے فن میں حصہ لیا ہو۔ آپ عمر بھر امی ہی رہے۔ اِس کے باوجود یہ کس قدر اثر انگیز واقعہ
ہے کہ خدا کے پاس سے آپ کو جو سب سے پہلے وحی آئی اِس میں آپ کو اور آپ کے متبعین کو حکم
کہ ''اقراء'' یعنی پڑھ، اور قلم کی اِن الفاظ میں تعریف کی گئی تھی کہ جملہ انسانی علم اِسی سے ہے۔

''پڑھ اپنے رب کے نام سے جو خالق ہے، جس نے انسان کو ایک جمے ہوئے قطرہ خون سے
کیا۔ پڑھ یہ تیرا بزرگ رب ہی ہے، جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی۔ اور انسان کو وہ چیز
، جسے وہ نہیں جانتا تھا'' (قرآن مجید، سورہ ۹۶۔ آیت ۱تا۵)

ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ نے بیان فرمایا کہ خدا نے سب سے پہلے قلم ہی کو پیدا کیا۔
سہولت کیلئے ہم بھی وہی مشہور تقسیم اختیار کر سکتے ہیں جو قبل ہجرت و بعد ہجرت کے نام سے
کریم ﷺ کی زندگی کے متعلق اِستعمال کی گئی ہے۔ اور اِسی تقسیم سے وہ زمانے بھی متعین ہو
ے ہیں جب آپؐ کے ہاتھ میں دنیوی اقتدار تھا یا نہ تھا۔

یہ امر نمایاں کئے جانے کے قابل ہے کہ قریب قریب وہ تمام آیتیں جن میں لکھنے پڑھنے یا
نے کا ذکر ہے، وہ مکی آیتیں ہیں، اِس کے برخلاف مدنی آیتوں میں کام کرنے اور تعمیل کرنے
زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ۔

(۱) کیا وہ لوگ جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے، برابر ہو سکتے ہیں۔ (قرآن مجید ۳۹/۹)

(۲) تم کو علم سے تھوڑی مقدار دی گئی ہے۔ (قرآن مجید ۱۷/۸۵)

(۳) اللہ سے اِن کے بندوں میں صرف عالم ہی ڈرتے ہیں۔ (قرآن مجید ۳۵/۲۸)

(۴) اور کہہ میرے آقا مجھے علم میں زیادتی عطا کر۔ (قرآن مجید ۲۰/۱۱۴)

(۵) تمہیں وہ چیز سکھائی گئی جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے آباؤ اجداد۔

(قرآن مجی

(٦) اگر زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں اور سمندر سات دیگر سمندروں کے ساتھ سیاہی بن جائیں تو بھی خدا کے کلمات ختم نہ ہوسکیں۔ (قرآن مجید ۳۱/۲۷)

(٧) قسم ہے پہاڑ کی اور قسم ہے ایک کتاب کی جو لکھی ہوئی ہے ایک جھلی پر، جو ہے۔ (قران مجید ا تا ۵۲/۳)

(۸) نون (دوات)! قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جو تم لکھتے ہو۔ (قرآن مجید ۱/

(۹) اگر ہم نے تجھ پر ایک واقعی تحریری چیز کاغذ پر لکھی ہوئی بھیجی ہوتی تو۔

(قرآن مجید

(۱۰) اگر تمہیں معلوم نہ ہو، تو یہ یاد رکھنے والوں سے پوچھ لو۔ (قرآن مجید ۴۳/

یہ تمام مکی آیتیں ہیں۔

کسی قوم میں کسی پیغمبر کا مبعوث ہونا تعلیم کے سوا کسی اور غرض کیلئے نہیں ہوتا۔ چنانچہ حیرت نہ ہو کہ ایک حدیث میں رسول کریم صلعم نے فرمایا ہے کہ میں ایک معلم بنا کر بھیجا گیا۔ اِس کی تائید قرآنی آیتوں سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے!

(۱) (ابراہیم و اسماعیل نے دُعا کی) ہمارے آقا ان کے پاس انہی میں سے ایک بھیج، جو انہیں تیری آیتیں سنائے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے، اور ان کا تزکیہ کرے تو ہی طاقتور اور عقلمند ہے۔ (قرآن مجید ۲/۱۲۹)

(۲) وہی ہے جس نے اُمیوں میں سے انھیں کا ایک رسول بھیجا تا کہ انھیں اِس کی آ سنائے اُن کا تزکیہ کرے اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے۔ اگر چہ اِس سے پہلے وہ گمراہی میں مبتلا تھے۔ (قرآن مجید ۲/۶۲)

(۳) بیشک خدا نے ایمان والوں پر مہربانی کی جب اس نے ان کے پاس انہی میں رسول بھیجا، جو انھیں اُس کی آیتیں سناتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور اُنھیں کتاب و حکمت کی

ے۔ اگر چہ اس سے پہلے وہ فاش گمراہی میں مبتلا تھے۔ (قران مجید ۳/۱۶۴)

حقیقت میں تبلیغ اور تعلیم ایک ہی چیز ہیں، خاص کر ایسے شخص کیلئے جو مذہب و سیاست کو ایک دوسرے سے الگ اور آزاد چیزیں نہ سمجھتا ہو اور جس کا مطمح نظر یہ ہو کہ:۔

"اے ہمارے رب! ہمیں اِس دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی اور ہمیں آگ ذاب سے بچا"۔ (قرآن مجید ۲/۲۰۱)

بیعت عقبہ ثانیہ جیسے ابتدائی زمانے میں، جو ہجرت سے بھی دو سال پہلے منعقد ہوئی تھی۔ کوئی رجن مدینے والوں نے اسلام قبول کیا تھا تو اُن کی خواہش پر رسول کریم صلعم نے ان کے کے سے ایک تربیت یافتہ معلم روانہ کر دیا تھا جو انھیں قرآن مجید کی تعلیم دے سکے، اور ت اسلام سے واقف کرا سکے۔ بے شبہ اِس ابتدائی زمانے میں تعلیم سے مراد صرف مبادی ور عبادت کے طریقوں کی تعلیم ہی ہو سکتی تھی۔

زمانہ قبل ہجرت کی سب سے اہم چیز جو اس سلسلے میں بیان کی جا سکتی ہے یہ تھی کہ آنحضرتؐ تبوں کو مقرر کر رکھا تھا، جن کا کام یہ تھا کہ جیسے جیسے وحی نازل ہوتی جائے، اِس کو لکھ لیں اور نقلیں کریں۔ چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لانے لگے، تو انھیں قرآن مجید ندسورتیں اپنی بہن کے گھر میں لکھی ہوئی ملی تھیں اور بظاہر ان کی بہن بھی پڑھنا جانتی تھیں۔

(سیرۃ ابن ہشام)

اِس سلسلے میں سب سے آخر میں حضرت موسیٰؑ کے قصے کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں جو ن شریف کی ایک مکی سورت (کہف) میں مذکور ہے کہ کس طرح وہ طلب علم کیلئے گھر سے سفر کی صعوبتیں برداشت کیں اور دل دہلانے والے تجربے حاصل کئے۔ اِس قصے کا ماحصل رکوئی شخص کتنا ہی بڑا عالم ہو جائے ہر چیز نہیں جان سکتا۔ اور یہ کہ علم میں زیادتی کی خواہش ہو ونی ممالک کا سفر ناگزیر ہے۔

بعد ہجرت

ہمارے پاس ہجرت زمانے کے متعلق جو مواد ہے، اِس کو سنہ وار ترتیب دینے کی جگہ فن دار

مرتب کرنا زیادہ سہولت بخش ہوگا۔ مثلاً مدرسوں کا اِنتظام، امتحانات، اقامت خانے
اور لکھنا پڑھنا سکھانے کا بندوبست، اجنبی زبانوں کی تعلیم، نصابِ تعلیم، عورتوں کی تعلیم
جات میں دورہ اور تنقیح کرنے والے افسر وغیرہ۔

ہم ابھی اوپر بیان کر چکے ہیں کہ رسول کریم صلعم نے ہجرت سے بھی پہلے ایک معلم
منورہ روانہ کیا تھا جس کے کارنامے تاریخ نے محفوظ رکھے ہیں۔ جب ہجرت کے بعد
خود مدینہ منورہ پہنچے تو بیشمار اور بیحد اہم جنگی اور سیاسی مصروفیات کے باوجود آپ
وقت نکال لیا کرتے تھے کہ مدینہ منورہ سے ناخواندگی کو دُور کرنے کے کام کی شخصی طور
کر سکیں۔

چنانچہ اِس سلسلے میں آپ نے سعید بن العاصؓ کا تقرر کیا تھا کہ لوگوں کو لکھنے اور پڑ
تعلیم دیں یہ بہت خوشنویس بھی تھے۔ ایک دوسرے راوی کے الفاظ میں ان کو "معلم حکمت
گیا تھا۔ جس سے لکھنے پڑھنے کو جو عظیم اہمیت دی جاتی ہے اِس کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ رسول
خواندگی سے اتنی دلچسپی تھی کہ ہجرت کے ڈیڑھ ہی سال بعد جب ساٹھ ستر مکے والے جنگ
میں گرفتار ہوکر مدینہ لائے گئے تو آپؐ نے اِن لوگوں کی جو مالدار نہ تھے، رہائی کیلئے یہ فدیہ
کیا تھا کہ مدینے کے دس دس بچوں کو لکھنا سکھائیں۔ حضرت عبادہ ابنِ الصامتؓ کہتے ہیں:
رسول کریم صلعم نے مجھے صفے میں اِس غرض سے مامور کیا تھا، کہ لوگوں کو لکھنے کی اور قرآن کی
تعلیم دوں۔

صُفے سے مراد مکان کا ملحق حصہ ہوتا ہے۔ یہ مسجد نبویؐ میں ایک احاطہ تھا، جو اِس غرض
مختص کر دیا گیا تھا کہ باہر سے تعلیم کیلئے آنے والوں بلکہ خود مقامی بے گھر طالب علموں
دارالاقامے کا بھی کام دے اور مدرسے کا بھی۔ اِس اقامتی درسگاہ میں لکھنے پڑھنے کے علاوہ
کی تعلیم دی جاتی تھی۔ قرآن مجید کی سورتیں زبانی یاد کرائی جاتی تھیں۔ فن تجوید سکھایا جاتا
دیگر اسلامی علوم کی تعلیم کا بندوبست تھا، جس کی نگرانی خود رسولِ کریم صلعم شخصی طور سے فرمایا
تھے اور وہاں رہنے والوں کی غذا وغیرہ کا بھی بندوبست کیا کرتے تھے۔ یہ طلبا اپنی فرصت

ٹنوں میں طلب روزگار میں بھی مصروف ہوا کرتے تھے۔
درسگاہ صفہ میں نہ صرف مقیم طلبہ کی تعلیم کا انتظام تھا، بلکہ ایسے بھی بہت سے لوگ آتے تھے
ن کے مدینے میں گھر تھے اور وہ صرف درس کیلئے وہاں حاضر ہوا کرتے تھے۔ وقتاً فوقتاً عارضی
رے درسگاہ میں شریک ہونے والوں کی بھی کمی نہ تھی۔ مقیم طلبہ کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی اور
ب بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت ان کی تعداد ستر بھی تھی۔ صفے کو ظلہ یعنی سائبان بھی کہتے
ہ۔ (ابن سعد ۲/۱ صفحہ ۴۷)
مقامی طلبہ کے علاوہ دُور دراز کے قبائل سے بھی طلبہ آتے اور اپنا ضروری نصاب مکمل کر کے
نے وطنوں کو واپس ہو جاتے۔
رسول کریم صلعم اکثر اپنے کسی تربیت یافتہ صحابی کو قبائلی وفود کے ساتھ ان کے مسکنوں کو روانہ
تے، تا کہ وہ اِس علاقے میں دینیات کی تعلیم کا بندوبست کریں۔ جس کے بعد وہ مدینہ واپس
تے۔
ہجرت کے ابتدائی سالوں میں معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی یہ مستقل سیاست تھی کہ
مدینے کے باہر کے لوگ مسلمان ہوتے تو اُن کو حکم دیا جاتا کہ ترکِ وطن کر کے مرکز اسلام
قریب آ بسیں۔ جہاں بعض وقت ان کو اپنی نو آبادی بسانے کیلئے سرکاری زمینیں بھی دی
ں۔
ترک وطن کے اِس حکم میں فوجی، سیاسی اور تمدنی جو اغراض پوشیدہ تھے، وہ ظاہر ہیں۔
سعد نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم نے ایک قبیلے میں جو نیا نیا مسلمان ہوا تھا،
معلم روانہ کیا، معلموں کو ہجرت کے متعلق جو عام ہدائتیں تھیں، اِس کو انھوں نے لفظی تعمیل کی
نا شروع کیا کہ جو ہجرت نہ کرے وہ مسلمان ہی نہیں سمجھا جائے گا۔ قبیلے والے پریشان
ے مگر وہ تھے سمجھدار۔ اُنہوں نے اپنا ایک وفد مدینہ روانہ کیا تا کہ براہ راست جناب رسول
ﷺ سے معلوم کریں۔ نبی اکرمؐ نے اُن کی مشکلات کو سن کر انھیں اجازت دی کہ وہ اپنے
ں میں رہیں، اور ان کے ساتھ وہی سلوک ملحوظ رکھا جائے گا جو اسلامی سرزمین میں ہجرت

کرنے والوں کے ساتھ رکھا جاتا تھا۔

مدنی زندگی میں رسول کریم صلعم کی یہ مستقل سیاست تھی کہ قبائل میں تعلیم وتربیت
روانہ کریں۔ بیر معونہ کے مشہور واقعے میں ستر (۷۰) قاریانِ قرآن بھیجے گئے تھے،
صحیح بخاری (کتاب المغازی، باب ۲۸، غزوۃ الرجیع، حدیث نمبر ۲،۵) میں ہے۔ اس
معلوم ہوتی ہے کہ انھیں نجد کے ایک آباد علاقے میں اور کثیر قبائل میں کام کرنا تھا۔

قبائلی نمائندوں کا تعلیم کی غرض سے مدینہ آنا بھی کوئی شاذ و نادر واقعہ نہ تھا اور جیسا
بیان کیا گیا، ایسے لوگوں کے قیام و طعام اور تعلیم و تربیت کی رسول کریم صلعم خود شخصی طور
فرماتے تھے۔ اور یہ لوگ عموماً صفے میں ٹھہرائے جاتے تھے۔

مدینہ منورہ میں صفہ واحد درسگاہ نہ تھی، بلکہ یہاں کم از کم نو مسجدیں خود عہدِ نبوی میں
اور اِس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہر مسجد اپنے آس پاس کے محلے والوں کیلئے بھی درسگاہ کا
دیتی تھی، خاص کر بچے وہاں پڑھنے آیا کرتے تھے۔ قبا، مدینہ منورہ کے جنوب میں مسجد نبو
کوئی دو ڈھائی میل پر واقع ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وقتاً فوقتاً رسولِ کریم صلعم وہاں تشریف
جاتے اور وہاں کی مسجد کے مدرسے کی شخصی طور سے نگرانی فرماتے۔ بعض احادیث میں
کریم ﷺ کے عام حکم اِن لوگوں کے متعلق محفوظ ہیں، جو اپنے محلے کی مسجد کے مدرسے
پاتے تھے۔ آنحضرت صلعم نے یہ بھی احکام صادر کئے تھے کہ لوگ اپنے ہمسایوں سے تعلیم
کیا کریں۔

ایک دلچسپ واقعہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے بیان کیا ہے۔ کہ ایک دن
رسول کریم صلعم مسجد نبوی میں داخل ہوئے، تو دیکھا کہ وہاں دو قسم کے لوگ موجود ہیں،
نوافل اور خدا کی عبادت میں مشغول تھے اور کچھ لوگ فقہ کی تعلیم و تعلم میں منہمک۔ آنحضرت
نے ارشاد فرمایا کہ دونوں ہی لوگ اچھا کام کر رہے ہیں، البتہ ایک کا کام زیادہ اچھا ہے۔
خدا سے کچھ مانگ رہے ہیں، اِن کے متعلق خدا کی مرضی ہے کہ چاہے تو دے چاہے تو نہ
البتہ دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو علم حاصل کر رہے ہیں اور جہالت کو دور کر رہے ہیں،

میں بھی معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے آپؐ نے اِس حلقے میں اپنے لئے جگہ بنائی

اں درس ہو رہا تھا۔

یہاں اِس مشہور اور اکثر حوالہ دی جانے والی حدیث کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ شیطان پر ایک

م، ایک ہزار عابدوں سے زیادہ سخت گزرتا ہے۔

رسول کریم ﷺ خود بھی شخصی طور سے اعلیٰ تعلیم دیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ وغیرہ بڑے صحابہ

درسوں میں شریک رہا کرتے تھے، جہاں قرآن وغیرہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ آنحضرت ﷺ

نبوی کے حلقہ ہائے درس کا اکثر معائنہ کیا کرتے تھے۔ اگر وہاں کوئی بے عنوانی نظر آتی تو فوراً

رک فرما دیا کرتے۔ چنانچہ ترمذی میں ہے کہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں رسول کریم ﷺ نے

و قدر کی متعلق کچھ مباحثہ ہوتے سنا۔ آپ اپنے حجرے سے باہر آئے۔ مارے غصے کے

کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ اور راوی کے الفاظ میں ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ انار کا رس آپ کے

اروں اور پیشانی پر نچوڑ دیا گیا ہے۔ آپ نے اِس موضوع پر بحث مباحثے سے منع کر دیا اور

د فرمایا کہ بہت سی گزشتہ اُمتیں اسی مسئلے میں اُلجھ کر گمراہ ہو گئی تھیں۔

یہ رسول کریم صلعم کی ایک طے شدہ سیاست تھی کہ صرف وہی لوگ قوم کی سیادت، سرداری

نمائی کریں اور نتیجۃً مسجدوں میں امام بنیں جو قرآن مجید اور سنت کے زیادہ سے زیادہ ماہر

۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں بیان کیا گیا ہے۔

یہ کوششیں بیکار نہ گئیں اور خواندگی میں اِس قدر تیزی سے ترقی ہوئی کہ ہجرت کو چند ہی دن

ے تھے کہ قرآن مجید نے حکم دیا کہ ہر وہ تجارتی معاملہ جس میں رقم اُدھار ہو۔ صرف تحریری

سے انجام پائے اور ایسی دستاویز پر کم از کم دو اشخاص کی گواہی لی جایا کرے۔ اِس کا منشاء

کے الفاظ میں یہ تھا کہ اس طرح کی تحریری گواہی "خدا کے نزدیک زیادہ منصفانہ ہے اور

کے اغراض کیلئے زیادہ مستحکم وسیلہ ہے، اور شبہات پیدا ہونے کی صورت میں رفع شک کا

ذریعہ ہے"۔

ینے میں خواندگی کی کثرت ہو جانے کے باعث اِس حکم سے کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

اور ظاہر ہے کہ ملک میں خواندگی کی وسعت کے بغیر ایسا حکم نہیں دیا جا سکتا تھا۔ گو اِس
نہیں کہ پیشہ ور کاتبوں کا بھی اِس زمانے میں پتہ چلتا ہے۔

ہجرت کے بعد سے ہی سیاسی معاہدات، سرکاری خط و کتابت ہر فوجی مہم میں جا
رضا کاروں کے ناموں کی فہرستیں، مختلف مقام مثلاً مکہ، نجد، خیبر، اوطاس وغیرہ میں خفیہ
عموماً تحریر طور سے آنحضرت ﷺ کو اپنے مقام کے حالات سے اطلاع دیا کرتے تھے۔
شماری اور اِسی طرح کی بہت سی چیزیں اِس بات میں ممد و معاون ہوئیں کہ خواندگی روز بروز
ہی جائے۔ تاریخ نے رسول کریم صلعم کے کوئی اڑھائی تین سو خطوط محفوظ رکھے ہیں۔
اس سے بہت زیادہ ہونی چاہئے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کی حکومت دس لاکھ سے زائد
کے علاقے پر چلتی تھی، اور دس سال تک حکمرانی کے فرائض آپ کو انجام دینے پڑے تھے۔

عرب میں خطوط پر مہر کرنے کا رواج سب سے پہلے جناب رسالت صلعم ہی سے شروع
آپ کو خط کی صفائی اور وضاحت کا جس قدر لحاظ رہتا تھا، اِس کا اندازہ اِن چند احادیث
حد تک ہوسکتا ہے جن میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کاغذ کو موڑنے سے پہلے اِس کی
ریگ ڈال کر خشک کرلو، یا یہ حرف (س) کے تینوں شوشے برابر دیا کرو اور اِس کو بغیر شوشوں
لکھا کرو، یعنی (س) غالباً یہ حکم اِس لئے تھا کہ شوشے نہ دینا احتیاط پسندی کے فقدان اور
دلالت کرتا ہے۔ یا یہ کہ لکھتے ہوئے اگر کچھ رُکنا پڑے تو کاتب کو چاہئے کہ قلم اپنے کان
لے، کیونکہ اِسے لکھوانے والے کی زیادہ آسانی سے یاددہانی ہوجاتی ہے۔ بولنے میں ذہن
ہوجاتا ہے۔ (جاری ہے)

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات
مقصودِ حیات
مصنف: محمد صدیق ڈار توحیدی (شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ)
یہ کتاب شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کے
پر مشتمل ہے۔ جو انہوں نے سلسلہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر
اس میں تصوف کی تعلیمات کو قرآن کی روشنی میں ثابت کیا گیا
بتایا گیا ہے کہ تصوف اسلام اور قرآن سے باہر کی کوئی چیز نہیں
قرآن کے احکامات کا نام ہے اور قرآن جس طرح کے بندہ مومن
پیش کرتا ہے وہ بلاشبہ ایک سچے صوفی کا ہی روپ ہے۔ قرآن
حقیقی پیغام کو آسان پیرائے میں سمجھنے کیلئے یہ کتاب
کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔
مقصودِ حیات
محمد صدیق ڈار توحیدی
فرموداتِ فقیر
مرتب: میاں علی رضا
عالیہ توحیدیہ، خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اور آپکے دوست
خاں کی سوانح حیات کیساتھ اِس کتاب میں قبلہ انصاری
اپنے مریدوں کو مختلف اوقات میں لکھے ہوئے
میں بیان کیے گئے چھوٹے چھوٹے واقعات
کے مسافروں کے علاوہ عام قارئین کیلئے بھی یکساں
آپکے لکھے ہوئے جوابی خطوط میں بھائیوں کیلئے دینی و دنیاوی
مشکلات کے حل کا سامان موجود ہے۔ نہ صرف ان کیلئے جن کو
گئے بلکہ اب بھی ہر پڑھنے والے کیلئے فائدے کا سبب ہیں۔
Reg: SR - 01
Website: www.toheedia.net